مجمع طلاب شگر پاکستان
مقیم حوزہ علمیہ قم
MAJMA-E-TULLAB-E-SHIGAR PK
QOM IRAN
1991

سیرت النبیؐ

(مجموعہ کالمز، مضامین، مقالات، تراجم و تبصرہ کتب)

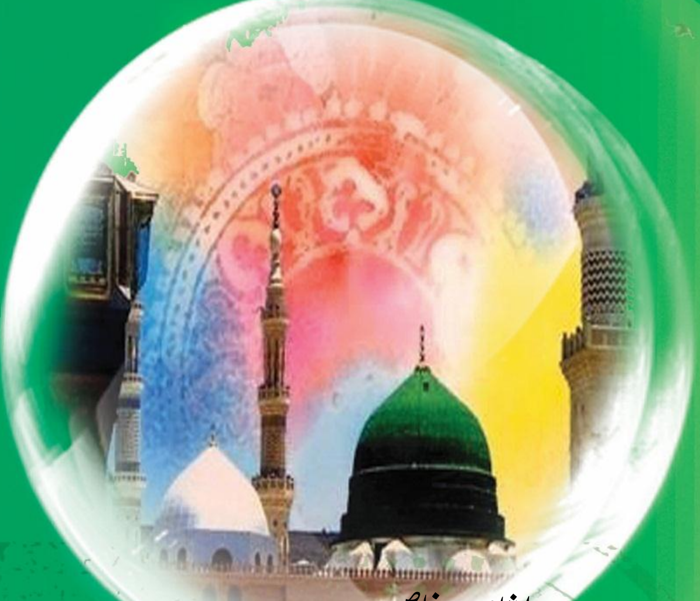

اشاعت خاص

(بمناسبت ولادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ہفتہ وحدت)

مجمع طلاب شگر پاکستان (حوزہ علمیہ قم المقدس)
شعبہ تحقیق و نشر و اشاعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت النبیؐ

(مجموعہ کالمز، مضامین، مقالات، تراجم و تبصرہ کتب)

اشاعت خاص

(بمناسبت ولادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ہفتہ وحدت)

مجمع طلاب شگر پاکستان (حوزہ علمیہ قم المقدس)
شعبہ تحقیق و نشر واشاعت

سیرت النبیؐ (مجموعہ کالمز، مضامین، مقالات، تراجم و تبصرہ کتب)

تالیف: .... شعبۂ تحقیق مجمع طلاب شگر

انتخاب و ترتیب: .... سکندر علی بہشتی

تصحیح و نظر ثانی: .... شعبۂ تحقیق مجمع طلاب شگر

گرافک و ڈیزاین: .... موسی عارفی

ناشر: .... مجمع طلاب شگر پاکستان (حوزہ علمیہ قم المقدس)۔

تاریخ اشاعت: .... ربیع الاول ۱۴۴۳ بمطابق اکتوبر ۲۰۲۱۔

پتہ: جمہوری اسلامی ایران، قم، خیابان آذر، کوچہ ۶۳ فرعی عبد اللہ شکوری، پلاک ۷۳۔

ویب سائٹ: mtshigar.com

ویب بلاگ: naseeme.hidayat.blogfa.com

ای میل: behashti123@gmail.com

رابطہ نمبر: +989022041887

حرف آغاز:

پیغمبر ختمی مرتبت ﷺ کائنات کی افضل ترین ہستی ہیں. آپ قیامت تک کے لئے ایک عالمگیر و آفاقی نمونہ عمل ہیں.

سعادت ونجات کا واحد راستہ آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ قرآن کریم قلب پیغمبر ص پر نازل ہوا، اور آپ نے اس پر عمل کرکے دکھایا۔ آپ ص کی سنت (قول، فعل و تقریر) دراصل قرآن کی تفسیر، تشریح اور وضاحت ہے۔

پیغمبر ص کی سیرت نگاری کے حوالے سے سیرت نگاروں نے اپنے اپنے عہد کے مطابق گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

دوسری طرف دشمنان اسلام بھی مختلف حربوں کو استعمال کرکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی توہین وتخریب کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔

پیغمبر ص اخوت، علم، شعور، بھائی چارے، مساوات، امن، محبت، آزادی، عدالت، حقوق بشر، اور حقوق خواتین کے داعی ہیں. یعنی سیرت نبوی میں تمام انسانی اقدار بدرجہ اتم موجود ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ میں ایک الہی، فلاحی حکومت کی عظیم مثال قائم کی، اجتماعی روابط کی تنظیم اانسانی اصولوں کی بنیاد پر رکھی اور اخوت و بھائی چارے پر مبنی ایک اسلامی معاشرے سے دنیا کو روشناس کرایا۔

آج سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے جس سے اطلاعات کا تبادلہ اور حق رسانی کا کام انتہائی آسان ہوگیا ہے۔

یہ میدان انہی لوگوں کا ہے کہ جن کے پاس اپنا پیغام پہنچانے کا سلیقہ، محکم و مضبوط فکر کے ساتھ موجود ہے.

آج ساری دنیا ایک آئیڈیل، نمونہ عمل اور کامل انسان کی تلاش میں ہے.

انسان کی زندگی کا انفرادی پہلو ہو یا اجتماعی، گھریلو زندگی ہو یا معاشرتی، الغرض زندگی کے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے پیغمبر اسلام ص ایک کامل نمونہ ہیں. ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں انسانی مسائل کا حل تلاش کیا جائے. اس سلسلے میں پہلی ذمہ داری اہل قلم اور محققین کی بنتی ہے۔

آپؐ کی سیرت کے بکھرے ہوئے علمی، فکری، تاریخی اور اخلاقی زاویوں کی جمع آوری، نیز سیرت نبوی پر موجود محققین کی کتب، آثار، تحقیقات اور خدمات سے دیگر افراد معاشرہ کو آگاہ کرنا، اور پراگندہ تحریروں کو منظّم شکل میں مرتب کرنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم کی ولادت باسعادت اور ہفتہ وحدت کی مناسبت سے ہم نے مختلف اہل قلم، ریسرچ اسکالرز اور دینی طلبا سے یہ گزارش کی تھی کہ وہ پیغمبر اکرم ص کی زندگی کے کسی بھی پہلو پر کوئی کالم، مضمون، مقالہ، ترجمہ یا تبصرہ کتب ہمیں ارسال کریں۔

ہمیں اس بات کی انتہائی خوشی ہے کہ اکثر احباب نے اس سلسلے کو سراہتے ہوئے دو ہفتے سے کم مدت میں پیغمبر اکرم سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں اپنے کالمز، مضامین اور مقالات ارسال کر دیئے۔

ہم معترف ہیں کہ قلّت وقت، متخصص افراد کی کمی، وسائل کی عدم فراہمی اور دیگر متعدد اسباب کے میسر نہ ہونے کے باعث ہم اس معیار کا کام نہیں کر سکے جو ہمارے پیش نظر تھا۔ نقائص کے اعتراف کے ساتھ ساتھ یہ خوشخبری بھی آپ کو دی جاتی ہے کہ اس کتاب میں سیرت النبی ص کے حوالے سے ایران، عراق اور پاکستان کے ممتاز اہل قلم حضرات کی نگارشات آپ کو پڑھنے کے لئے ملیں گی۔ اس میں جو بھی کمی بیشی رہ گئی ہے وہ بندہ حقیر کی تقصیر ہے اور جو بھی کوئی خوبی

اور دلکشی ہے تو یہ ختم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم اور اہل قلم حضرات کے خلوص کے باعث ہے۔

امید ہے صاحبان علم و فکر اور اسلامی تبلیغ سے مربوط شخصیات اپنی آرا و تجاویز کے ذریعے اس مجموعے کو مزید بہتر بنانے کے لئے اپنے علمی نقد اور تجاویز و آرا سے نوازیں گے۔ ہم ان تمام اہل قلم حضرات کے انتہائی شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ برادر نذر حافی کا بھی شکریہ کہ جنہوں نے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر کتاب کے مسودے کا مطالعہ کیا اور اپنی مفید آرا و تجاویز کے ساتھ ساتھ اپنے گرانقدر تاثرات سے بھی بہرہ مند کیا۔

ہم آج پیغمبر ص کی شخصیت کے بارے میں برنارڈ شا کے اس جملے پر اپنے تاثرات کا اختتام کرتے ہیں کہ

''میں یہ پیشن گوئی کرتا ہوں اور ابھی سے اس کے آثار نظر آنے لگے ہیں کہ محمد ص کا دین مستقبل کے یورپ کے لئے قابل قبول ہو جائے گا۔ میرے خیال میں اگر ان جیسا کوئی انسان جدید دنیا کا حاکم ہو جائے تو وہ دنیا کے مسائل اور مشکلات کو حل کرنے میں اس طرح کامیاب ہو جائے گا کہ صلح اور سعادت کے سلسلے میں انسان کی تمنا پوری ہو جائے گی۔''

والسلام مع الاکرام

سکندر علی بہشتی حوزہ علمیہ قم

پیش لفظ :

مشکلات میں نہ گھبرانا ہی شجاعت ہے۔ دریا کے بہاو کے مخالف ہاتھ پاوں مارنا زندگی کی علامت ہے۔ زندگی کی خواہش موت کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ خصوصا اعلیٰ و ارفع عقائد و نظریات کو زندہ رکھنے کی سعی کرنا خود انسانوں کے اندر انسانیت کے زندہ رہنے کا ایک سبب ہے۔ جو الفاظ اعلیٰ مقاصد، عظیم اہداف اور بلند نظریات کی خاطر صرف کئے جاتے ہیں وہ بھی عظیم انسانوں کی طرح ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ عظیم الفاظ تخلیق کرنے اور بلند و بالا نظریات کو قلمبند کرنے کے لئے بلند حوصلے کے ساتھ ساتھ نوآوری اور وسیع سوچ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر خلّاق اور نئی فکر ایک بڑی سوچ میں ڈھل کر گرینڈ اسٹریٹجی یا عظیم حکمتِ عملی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کوئی بھی عظیم حکمتِ عملی، صرف خلوص، تنقید، نعروں اور باتوں سے عملی نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ہمیشہ خلوص کے ہمراہ مہارت، تربیت، جہدِ مسلسل، نوآوری اور نظرِ ثانی کی ضرورت رہتی ہے۔ حوزہ علمیہ قم میں مقیم مجمع طلابِ شگر کے فاضل طلبا نے اس سلسلے میں اس سال سیرت النّبیؐ اور ہفتہ وحدتِ اسلامی کی مناسبت سے برجستہ دانشوروں کی نگارشات، کالمز، مضامین، مقالہ جات اور کتابوں پر تبصروں کی جمع آوری کا فریضہ انجام دیا ہے۔ قابلِ ذکر ہے کہ یہ تالیف سکندر علی بہشتی (مسئولِ شعبہ تحقیق) کی محنتِ شاقہ کے باعث ممکن ہوئی ہے۔

میلادُالنبیؐ اور ہفتہ وحدتِ اسلامی کو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی تمدن میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے محققین کے نظریات و افکار کی جمع آوری، اُن کی تدوین و اشاعت اور انہیں عوام تک پہنچانا ایک انسانی و اسلامی فریضہ ہے۔ مجمع طلابِ شگر نے اس سنگین ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے اپنے تئیں ایک کوشش کی ہے اور یاد رکھئے کہ کوئی بھی کوشش

اُس وقت رنگ دکھاتی ہے کہ جب کچھ لوگ مشکلات سے لڑنے کے لئے مشکلات کے مدمقابل اور مشکلات کے درمیان میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دریا کے بہاو سے ٹکرانے کی کیفیت کو صرف وہی درک کر سکتے ہیں جو خود کبھی دریا سے ٹکرائے ہوں۔ یقیناً اس کتاب کی تدوین وترتیب پر مجمع طلابِ شگر اور خصوصاً شعبہ تحقیق کے مسئولِ محترم انتہائی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری، اپنی بساط کے مطابق ادا کر دی ہے، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم سب ہر ممکنہ طریقے سے انہیں یہ احساس دلائیں کہ جہالت کی آندھیوں کے مدِّ مقابل چراغ جلانے میں وہ اکیلے نہیں ہیں بلکہ ہم سب اُن کے ساتھ ہیں۔ ہم سب یہ یقین رکھتے ہیں:

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے۔ یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے۔

نذر حافی

۱۳ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ

پہلا حصہ

سیرت حضور اکرمؐ علما و فقہا کی نگاہ میں

امام خمینی کی نظر میں بعثت رسولؐ کا فلسفہ

سید رمیز الحسن موسوی
srhm2000@yahoo.com

تاریخی اور کلامی لحاظ سے رسول اللہؐ کی بعثت، نبوت کی اہم ترین بحث ہے۔ تاریخ انسانیت کا یہ عظیم واقعہ دنیا میں ایک بڑے انقلاب کا باعث بنا ہے اور اس نے پوری تاریخ انسانیت پر اثرات چھوڑے ہیں اور یہ واقعہ نہ فقط اپنے زمانے کے لحاظ سے اہم تھا بلکہ آئندہ زمانے کے لئے بھی اس کی اہمیت اپنے زمانے سے زیادہ اہم ہے۔ چونکہ رسول اللہؐ کی بعثت ایک نبی خاتمؐ کی بعثت تھی نہ ایک محدود زمانے اور محدود پیغام کے حامل نبی کی بعثت تھی۔ بعثت پیغمبرؐ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس کو جہاں تاریخی حیثیت سے دیکھا گیا ہے وہاں کلامی اور عرفانی نقطۂ نظر سے بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

چونکہ امام خمینی ایک فقیہ، فیلسوف، عارف ہونے کے لحاظ سے ایک ایسے صاحب نظر عالم دین ہیں کہ جنہوں نے رسول اللہؐ کی شریعت کو طریقت اور عملیت کے میدان میں پیش کیا ہے اور رسول اللہؐ کے پیغام کا عملی تجربہ کیا ہے اور اسے جدید زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے پیش کرنے کی جرائت کی ہے اور یہ رسول اللہؐ کی بعثت اور لائی ہوئی شریعت پر امام خمینی کے محکم ایمان اور یقین کی دلیل ہے۔

امام خمینی رسول اللہؐ کی بعثت کے پیغام یعنی؛ شریعت محمدیہؐ کو نہ فقط اعتقادی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اس کو عملی میدان میں پیش کرنے اور اس کو دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی سے برتر سمجھتے تھے ،اور اسی یقین کامل کے ساتھ اُنھوں نے بعثت رسولؐ کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کے احیاء کی کوشش کی اور اسے اپنے یقین محکم کے ساتھ عصر حاضر کے پیچیدہ ترین نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور پوری دنیا پر بعثت پیغمبرؐ کی حقانیت ثابت کر دی۔اس لحاظ سے بعثت اور فلسفہ بعثت کے بارے میں امام خمینی کے افکار وبیانات اور نظریات خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔چونکہ یہ ایک ایسے عالم دین کے افکار ہیں جو فقط بعثت رسولؐ پر علمی و نظریاتی بحث نہیں کرتا بلکہ اسے انسانی معاشرے میں عملی شکل میں پیش کرتا ہے۔

یہ فقط امام خمینی کا امتیاز ہے کہ جنھوں نے پیغام رسالت اور فلسفہ بعثت کو عمل کے میدان میں پیش کیا ہے۔لہٰذا بعثت رسول اللہؐ کے بارے میں امام خمینی کے افکار فقط ایک عالم دین اور فقیہ کے افکار نہیں بلکہ ایک عارف کامل ، ایک فیلسوف اور ایک ماہر سیاستدان اور ایک طاقتور اسلامی حکمران کے افکار ہیں جس نے سیاست رسولؐ اور پیغام بعثت کا تجربہ عملی طور پر کیا ہے۔اسی خصوصیت کے ساتھ ہم سیرت رسول اللہؐ کے ایک اہم عنوان یعنی؛ ''بعثت رسول اللہ ؐ ''کے بارے میں امام خمینی کے افکار پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کا عظیم واقعہ :

رسول اکرمؐ کی بعثت کا دن پورے زمانے ''مِنَ الاَزَل اِلی الابد'' باشرف ترین دن ہے۔چونکہ اس سے بڑا اور کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا ہے۔دنیا میں بہت سے عظیم واقعات رونما ہوئے ہیں ، عظیم انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، انبیائے اولوالعزم مبعوث ہوئے ہیں اور بہت سے بڑے بڑے واقعات ہو گذرے ہیں لیکن رسول اکرمؐ کی بعثت سے بڑا کوئی واقعہ نہیں ہے اور اس سے بڑے واقعہ کے رونما ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ اس عالم میں سوائے خداوند

متعال کی ذات مقدس کے، رسول اکرمؐ سے عظیم تر ہستی کوئی بھی نہیں ہے اور آپؐ کی بعثت سے بڑا واقعہ بھی کوئی نہیں ہے۔ایک ایسی بعثت کہ جو رسول خاتمؐ کی بعثت ہے اور عالم امکان کی عظیم ترین شخصیت اور عظیم ترین الٰہی قوانین کی بعثت ہے۔اور یہ واقعہ اس دن رونما ہوا ہے اسی نے اس دن کو عظمت اور شرافت عطا کی ہے۔ اس طرح کا دن ہمارے پاس ازل وابد میں نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ لہٰذا میں اس دن کے موقعہ پر تمام مسلمانوں اور دنیا بھر کے مستضعف لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ [۱]

عالم بشریت کا وحی کے فواید اور تعلیمات سے بہرہ مند ہونا:

بعثت کا ایک محرک یہ ہے کہ یہ قرآن کہ جو غیب میں تھا، غیبی صورت میں تھا، (فقط) علم خدا میں تھا اور غیب الغیوب میں تھا، اس عظیم ہستیؐ کے ذریعے، وہ ہستیؐ کہ جس نے بہت زیادہ مجاہدت و ریاضت کرنے اور حقیقی فطرت اور توحیدی فطرت پر ہونے کی وجہ سے اور غیب کے ساتھ رابطہ رکھنے کی وجہ سے اس مقدس کتاب کو مرتبہ غیب سے متنزل کیا ہے بلکہ (یہ مقدس کتاب) مرحلہ بہ مرحلہ نازل ہوئی ہے اور آخر درجہ شہادت (ظاہر) پر پہنچ کر الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔اور اب ان الفاظ کو ہم اور آپ سب سمجھ سکتے ہیں اور اس کے معانی سے اپنی توان اور (استعداد) کے مطابق فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ بعثت کا مقصد اس دستر خوان نعمت کو لوگوں کے درمیان نزول کے زمانے سے لے کر قیامت تک بچھانا ہے اور یہی بات کتاب خدا کے نزول کے اسباب میں سے ایک سبب اور رسول اکرمؐ کی بعثت کی اصل وجہ ہے (بَعَثَهُ اِلَیْکُم) (اس رسولؐ کو تمہاری طرف بھیجا)، وہ رسولؐ تمہارے لئے قرآن اور ان آیات:

''وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتابَ وَالحِكْمَةَ'' ۔ [۲]

۱۔ صحیفہ نور ج۰ ص ۱۵

۲۔ سورہ جمعہ آیہ ۲ ۔

''(وہ رسولؐ) ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''

کی تلاوت کرتا ہے۔شاید ان آیات کی مقصود یا ہدف یہی ہو کہ رسول اکرمؐ تزکیہ اور تمام افراد کی تعلیم وتربیت اور اسی کتاب وحکمت کی تعلیم کے لئے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔پس بعثت رسول اکرمؐ کی وجہ وحی اور قرآن کا نزول ہے اور انسانوں کے لئے تلاوت قرآن کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنا تزکیہ کریں اور ان کے نفوس گناہ کی اس ظلمت وتاریکی سے پاک ہوں جو ان کے اپنے اندر موجود ہے اور اس پاکیزگی اور تزکیہ کے بعد ان کی روحیں اور اذہان اس قابل ہوں کہ کتاب وحکمت کو سمجھ کرسکیں۔ [۱]

نور ہدایت کے حصول کے لئے نفوس کا تزکیہ:

جو لوگ بعثت کو ایک الٰہی بعثت سمجھتے ہیں اور بعثت کا محرک تمام مخلوق کی ہدایت جانتے ہیں؛انہیں بعثت کی غرض وغایت کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔اور بعثت کے اس محرک کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔چونکہ خود خداوند متعال نے بعثت کا محرک بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''یَتلوا عَلَیهِم آیاتِهِ وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتابَ وَالحِکمَة''

''تاکہ وہ (رسولؐ) ان پر آیات کی تلاوت کرے اور ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے''۔ [۲]

انسان میں ہدایت کی روشنی تزکیہ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔

۱۔صحیفہ نوح ۔ ۱۴ ص ۵

۲۔ سورہ جمعہ آیہ ۲ ۔

عظیم ترین علمی و عرفانی انقلاب:

بعثت کا مسئلہ اور اس کی ماہیت و برکات کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسے ہماری لکنت زدہ زبانوں سے بیان کیا جاسکے۔ اس کے پہلو اس قدر وسیع ہیں اور اسکی معنوی اور مادی جہات اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کے بارے میں گفتگو کرنے کا میں گمان بھی نہیں کرسکتا۔

رسول اکرمؐ کی بعثت نے تمام عالم میں ایک علمی و عرفانی انقلاب برپا کیا ہے کہ جس نے یونانیوں کے خشک اور قدر و قیمت کے حامل فلسفے کو اہل شہود و معرفت کے لئے ایک عرفان حقیقی اور شہود واقعی میں تبدیل کردیاہے۔ کسی کے لئے بھی قرآن کے اس پہلو کا انکشاف نہیں ہوا سوائے اُن لوگوں کے لئے جو اسکے حقیقی مخاطب ہیں۔ حتیٰ بعض پہلو تو ''مَن خوطِبَ بہ'' کے لئے بھی واضح نہیں ہوئے ہیں۔ جن سے فقط ذات ذی الجلال جل جالہ کے اور کوئی بھی آگاہ نہیں ہے۔ اگر کوئی قبل از اسلام کے فلسفے اور بعد از اسلام کے فلسفے کا مطالعہ کرے اور ہندوستان وغیرہ میں اس قسم کے مسائل سے سروکار رکھنے والوں کا بعداز اسلام کے عرفا سے (موازنہ کرے) کہ جو اسلامی تعلیمات کے ساتھ ان مسائل میں داخل ہوئے ہیں تو وہ جان لے گا کہ اس حوالے سے کتنا عظیم انقلاب آیا ہے۔ حالانکہ اسلام کے عظیم عرفا بھی قرآنی حقائق کو کشف کرنے میں عاجز ہیں۔ قرآن کی زبان کہ جو بعثت کی برکت اور رسول خداؐ کی بعثت کی عظیم برکات میں سے ہے۔

عظیم ترین علمی و عرفانی انقلاب:

رسول اکرمؐ کی اس ولادت باسعادت کے مختلف پہلو آج تک کسی انسان کو معلوم نہیں ہوسکے۔ اس ولادت کی برکت سے فیوض وبرکات کے جاری ہونے والے چشمے رسول اکرمؐ کے قلب مبارک پر وحی کے نزول کی صورت میں اپنے کمال کو پہنچے۔ قرآن مجید کا نزول بھی انہی سرچشموں میں سے ایک ہے کہ جس کا کامل فہم کسی ایک کے لئے یہاں تک کہ آخری زمانے کے عقلمند اور غور وخوص کرنے والے افراد کے لئے بھی ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبان عصمت

سے قرآن کی بیان شدہ حقیقت سے زیادہ آج تک کسی نے قرآنی حقائق سے پردہ نہیں اٹھایا ہے۔ جب آپ اسلام سے قبل معرفت وعلوم کی گہرائی، فلسفے اور اجتماعی عدل وانصاف کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے انہی معلوم شدہ حقائق نے دنیامیں ایک عظیم انقلاب برپا کیا ہے کہ جس کی نہ ماضی میں مثال ملتی ہے اور نہ ہی مستقبل میں امید کی جاسکتی ہے۔

تاریخ عرفان میں آپ دیکھیں کہ اسلام سے پہلے کیا تھا اور اسلام کے بعد اسلامِ مقدس اور قرآن کریم کی تعلیمات کے ذریعے کیا کچھ ہو گیا ہے۔اسلام سے پہلے کی شخصیات کو دیکھیں مثلاً ارسطو وغیرہ کو دیکھیں ؛وہ عظیم شخصیات تھیں لیکن اس کے باوجود اُن کی کتابوں میں وہ چیز نہیں ملتی جو قرآن کریم میں ملتی ہے۔

ہماری روایات میں یہ جو بعض آیات (کے بارے میں) نقل ہوا ہے کہ مثلاً سورہ توحید اور سورہ حدید کی آخری چھ آیات آخری زمانے کے گہرا سوچ وبچار رکھنے والے دور اندیش لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہیں ؛ میرے خیال میں اس کی واقعیت اس وقت تک یا اس کے بعد انسان کے لئے جس طرح ہونا چاہیے منکشف نہیں ہوسکے گی۔البتہ اس بارے میں بہت کچھ کہا جاچکا ہے اور اس سلسلے میں بہت ہی گرانقدر تحقیقات انجام پاچکی ہیں لیکن اُفق قرآن اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔۵

انسان کے ادراک سے بالا معجزہ:

بعثت کا واقعہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے بارے میں ہم کوئی بات کرسکیں ہم فقط اسی قدر جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے ساتھ ایک انقلاب برپا ہوا ہے اور اس دنیا میں تدریجاً ایسی چیزیں رونما ہوئی ہیں کہ جو پہلے نہیں تھیں۔ وہ تمام معارف وعلوم جو رسول اکرمؐ کی بعثت کی برکت سے پوری دنیا میں پھیلے، ان کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ بشریت ان کے لانے سے عاجز ہے اور جو لوگ صاحب علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ معارف کیا ہیں اور ہم کس حد تک ان کا

ادراک کر سکتے ہیں؟ تمام انسانوں کا ان معارف وعلوم کے لانے میں عاجز ہونا اور بشریت کے فہم وادراک سے اس کا مافوق ہونا ایک ایسے انسان کے لئے بہت بڑا معجزہ ہے کہ جس نے زمانۂ جاہلیت میں پرورش پائی اور ایک ایسے ماحول میں تربیت حاصل کی کہ جس میں ان باتوں کا دور دور تک نام ونشان موجود نہیں تھا۔ اس زمانے کے لوگ دنیا کے مسائل، عرفانی حقائق، فلسفی نکات اور دیگر مسائل سے قطعی طور پر آشنا نہیں تھے۔ آنحضرتؐ نے پوری زندگی اسی خطے میں گزاری صرف ایک مختصر مدت کے لئے آپ سفر پر تشریف لے گئے اور لوٹ آئے۔ جب ایک انسان اس وقت کو دیکھتا ہے کہ جب آپؐ رسالت پر مبعوث ہوئے تو آپ نے ایسے مطالب پیش کیے کہ جن کا پیش کرنا اور ان کا فہم وادراک بشریت کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ وہ معجزہ ہے کہ جو اہل نظر افراد کے لئے پیغمبرؐ کی نبوت پر دلیل ہے حالانکہ رسول اکرمؐ بذات خود ان مطالب کو بیان نہیں کر سکتے تھے، نہ آپؐ نے تحصیل علم کیا اور نہ ہی آپؐ لکھنا جانتے تھے۔ یہ ایک ایسی عظیم حقیقت ہے جس کے بارے میں بات نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ حقیقت کسی کے لئے کشف ہوئی ہے سوائے خود رسول اکرمؐ کے لئے اور ان خاص الخاص افراد کے لئے جو آپؐ سے مربوط ہیں۔

واقعہ بعثت کی عظمت پر پیغمبرؐ کے اُمی ہونے کی دلالت:

اسلام کے مختلف قسم کے عمیق اور گہرے اجتماعی مسائل ایسے شخص کے اپنے نہیں ہو سکتے جس نے تاریک اور علم سے بے بہرہ ماحول میں زندگی بسر کی ہو یا ہر ماحول ومعاشرے میں پرورش پانے والا انسان کیا اس طرح دنیا میں تمام چیزوں کے علم کو پا سکتا ہے جو موجودہ اور آئندہ زمانے کے عقلی تقاضوں اور معیارات پر پورا اترے یہ صرف ایک معجزہ ہے اور معجزے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔٦

شریعت اسلام کی جامعیت کا اسلام کے وحیانی ہونے پر دلالت کرنا:

خاتم المرسلینؐ کی نبوت کے اثبات کے لئے ہمارے دلائل کا نچوڑ یہ ہے کہ جس طرح تخلیق کائنات کی مضبوطی اور اس کی حسن ترتیب و بہترین نظم ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ایک ایسا موجود ہے جو اس کی تنظیم کرتا ہے، جس کا علم تمام باریکیوں، خوبیوں اور کمالات پر محیط ہے۔ اسی طرح ایک شریعت کے احکام کا اتقان، حسن نظام، ترتیب کامل، تمام مادی و معنوی، دنیوی و اخروی، اجتماعی وفردی ضروریات کی مکمّل طور سے پر ذمہ داری قبول کرنا بھی ہم کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے منتظم اور چلانے والے کا علم بھی لامحدود ہوگا اور وہ افراد بشر کی ضرورتوں سے واقف ہوگا اور چونکہ یہ بات بدیہی ہے کہ یہ سارا کام ایک ایسے انسان کے عقلی قوتوں کا ہرگز مرہون نہیں ہوسکتا، جس نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کیا ہو، جس کی تاریخ حیات ہر قوم وملت کے مورخین نے لکھی ہو، جس نے ایک ایسے ماحول میں تربیت پائی ہو جو کمالات و تعلیمات سے عاری ہو، ایسا شخص اتنا کامل نظام نہیں بنا سکتا۔ اس لئے یقینا غیب اور ماوراء الطبیعہ سے اس شریعت کی تشریح ہوئی ہے اور وحی والہام کے ذریعے آنحضرتؐ تک پہنچائی گئی ہے:

"وَالحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ وُضُوحِ الحُجَّۃ"۔ [۷]

حوالہ جات

۱۔

۲۔

۳۔ صحیفہ نور، ج ۱۴، ص ۲۵۵

۴۔ صحیفہ نور، ج ۱۷، ص ۲۵۰

۵۔ صحیفہ نور، ج ۱۸، ص ۱۹۰

۶۔ صحیفہ نور، ج۲۰، ص۸۷

۷۔ چہل حدیث، ص ۲۰۲،۲۰۱

منابع:
۱۔ چہل حدیث؛امام خمینی؛مئوسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، طبع اول ۱۳۷۱ شمسی
۲۔ صحیفہ نور؛امام خمینی؛(۲۲جلد) وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی طبع اول

http://www.alhassanain.com

رسول اکرمؐ مسلمانوں کے اتّحاد کا مرکز

رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای
(نوٹ: یہ رہبر انقلاب اسلامی کی اس تقریر کا حصّہ ہے جو آپ نے پیغمبر اکرمؐ سے متعلّق فرمائی تھی)

جی ہاں۔ رسول اعظم اسلام حضرت محمّد مصطفیٰ ص نے اپنی منفرد خصوصیات کے ذریعہ جہالت وخرافات کو دور کیا اور بہت سے دلوں کو ہدایت وکمال کے نور وروشنی کی جانب جذب کرنے کی کامیاب کوشش فرماتے رہے۔

آپ نے جاہلانہ تعصّبات کا خاتمہ کیا اور کینہ وحسد کی آلودگی کو دلوں سے کھرچ کے پھینک دیا۔ پیغمبر رحمتؐ نے مہاجر وانصار۔عرب وغیر عرب۔ نیز گورے اور کالے کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور سبھی کو پرچم اسلام کے سائے میں جمع کر دیا۔اس انسان کامل کا کردار وعمل کچھ ایسا تھا کہ آپ دلوں کو آپس میں قریب کرکے لوگوں کے مابین روابط اور انکے عقائد کی بنیادوں کو مستحکم فرمادیتے تھے۔ رسول خداؐ کی رحلت کو صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج سارے مسلمان اس عظیم الہی شخصیّت کے محور پر جمع ہیں۔اور آپس میں متحد اور متعہّد ہیں۔

رسول اکرمؐ کے دور میں کفّار ومشرکین اسلام کے پودے کو بڑھتا ہوا اور مسلمانوں کا روزافزوں فروغ دیکھ کر پیغمبر اکرم (ص) اور دین اسلام کی نابودی کے لیے نئی نئی سازشیں اور

منصوبے تیار کرنے لگے ـ تاریخ خود ایک واضح گواہ اور اس امر کے لئے آئینہ حقیقت ہے کہ کفّار ضعیف و کمزور اور اسلام کامیاب و کامراں تھا لیکن آج بھی دشمنان اسلام اس زمانے کے متعصّب کفّار کی طرح نئی دھڑے بندی کے ذریعہ اپنی بھرپور کوششوں سے پیغمبر رحمتؐ کے چہرے کو مخدوش اور دین اسلام کو نابود کرنے کے درپے ہیں اور ان اسلام دشمنوں نے اپنے توہین آمیز اقدامات کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پوری قوّت لگادی ہے ـ

دشمنان اسلام اور اسلامی امّہ آج ایک دوسرے کے مدّ مقابل ہیں اور اسلام کے دشمن اسلامی بیداری کے موجزن سمندر کے سامنے یہ محسوس کر رہے ہیں کہ وہ پسماندہ ہیں لہٰذا اس قسم کے احمقانہ اقدامات انجام دے رہے ہیں ـ

رہبر معظم انقلاب اسلامی نے ایک جانب رسول اکرمؐ کی شان اقدس میں گستاخانہ فلم کو دشمنان اسلام، مستکبرین اور ان کے آلہ کاروں کے پیغمبر رحمت و عزّت و کرامتؐ سے گہرے بغض و کینہ کا ترجمان قرار دیا اور دوسری جانب مغربی سیاستدانوں اور اس توہین آمیز اقدام کے مقابلے میں ان کے موقف کو دنیائے اسلام کے لیے بہت ہی مفید قرار دیا۔

دیر سے سمجھنے والوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ حق و باطل کے مابین لڑائی کس بات پر ہے اور یہ معلوم ہو گیا کہ حق و باطل کی لڑائی کا اصل محور اسلام اور پیغمبر اسلام خاتم الانبیاءؐ کا وجود مبارک ہے ـ

قابل ذکر بات یہ کہ استکباری نظاموں کے سربراہان، ایک جانب سے اس گستاخانہ عمل کی مذمّت نہیں کر رہے ہیں اور اس نہایت ہی بڑے جرم کے خلاف اپنے فریضہ پر عمل نہیں کر رہے ہیں اور دوسری جانب اس توہین آمیز اقدام کی برائی سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کرنا چاہتے ہیں ـ

امریکی اور بعض یورپی ممالک کے حکّام کو عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہئے کہ وہ اس انتہائی بڑے جرم میں شریک نہیں ہیں ـ یہ نہیں ہے کہ وہ صرف زبان سے ہی کچھ کہیں ـ آپ نے فرمایا کہ وہ ان گستاخانہ اقدامات کی روک تھام ہر گز نہیں کریں گے اور اسکی وجہ ظاہر ہے ـ

استکباری مشینریاں اسلام و اسلامی مقدّسات کی توہین کی فکر رکھتے ہیں، اور جو امر انھیں اس قسم کے جنون آمیز اقدامات پر مجبور کرتا ہے وہ اسلامی بیداری کی عظیم تحریک ہے، اس وقت مغربی حکّام یہ بہانہ تراشی کررہے ہیں کہ ہم آزادیٔ بیان واظہار کے احترام میں لوگوں کے اس قسم کے اقدامات کی بھی روک تھام نہیں کر سکتے، دنیا میں اس بات پر کون یقین رکھتا ہے کہ ان ممالک میں ریڈ لائن معیّن ہے اور وہ پوری قوّت سے اس ریڈ لائن کا لحاظ کرتے ہیں، اور طاقت اور تشدد کے ذریعہ ریڈلائن ہر کسی کو پار کرنے سے روکتے ہیں، لیکن وہی اسلامی مقدّسات کی توہین کو روکنے کے سلسلے میں آزادیٔ بیان واظہار کے حامی بن جاتے ہیں۔

یورپ اور مغرب میں کسی کو بھی ان مسائل کے بارے میں لب کشائی کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ اگر آمریکہ میں کوئی علم نفسیات اور علم سماجیات کی بنیاد پر، ہمجنس بازی کے خلاف کچھ لکھنا چاہے اور اسے شائع کرنا چاہے تو اسے اس کی بالکل اجازت نہیں ہے۔آخر یہ کیسے آزادی بیان کے دعویدار ہیں؟ جہاں کہیں بھی خبیث صہیونی حکومت کی پالیسیوں کا عمل دخل ہے وہاں آزادی بیان کا کوئی معنی نہیں ہے اور کوئی جرآت بھی نہیں کرسکتا کہ اور اسے یہ حق بھی نہیں پہونچتا کہ اس ذلت آمیز پالیسی کے مقابلے میں یا ھولوکاسٹ جیسے مسئلے کے خلاف کچھ شائع کرسکے/لیکن اسلامی مقدسات کی توھین اور ان کے زعم ناقص میں اسلامی جوانوں کی نظروں میں اسے ہلکا ظاہر کرنے کے لئے سب کچھ جائز ہے لیکن جیسا کہ ظاہر بھی ہے کہ آج رائے عامہ، امریکہ اور صہیونی حکومت کے خلاف ہے۔ رہبر انقلاب اسلامی معتقد ہیں کہ نہ صرف مسلمان بلکہ ہر حریت پسند اور انصاف پسند انسان بھی دنیا کے مختلف علاقوں میں سامراج کے مظالم اور آسمانی ادیان کی توہین پر سراپا احتجاج اور گلہ مند ہیں اور ان کی ان پالیسیوں نے مغرب اور اسرائیل سے شدید نفرت پیدا کردی ہے اسی بناء پر ہم مشاہدہ کررہے ہیں کہ ان کے توھین آمیز روےّیے کبھی خاکے شائع کرنے تو کبھی فلم بنانے کی صورت میں ظاہر ہورہے ہیں، اور یہ امر مغرب کی جاہلانہ اور دشمنانہ پالیسوں کے خلاف عوام میں اتحاد کے مضبوط ہونے کا عامل بن رہا ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج عالم اسلام میں کیا ہو رہا ہے اور دنیا بھر کے مسلمان کس طرح سے اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں/ اکثر مسلمانوں نے اس فلم کو دیکھا بھی نہیں ہے صرف انہیں اتنا ہی پتہ چلا ہے کہ اس قسم کی توہین کی گئی ہے لیکن دنیا بھر کے مسلمان بغیر کسی کے اشتعال دلائے اور کسی اپیل کے بغیر ہی عظیم الشان مظاہروں اور ریلیوں میں شرکت کر رہے ہیں اور اس طرح پیغمبر اسلامؐ سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔

غور طلب بات تو یہ ہے کہ ان مغربی ملکوں میں کہ جہاں استکبار کے بڑے بت اور سرکش افراد بیٹھے ہوئے ہیں اور اسلام و مسلمین کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں ان ہی کے دیار میں مسلمان حتی غیر مسلم بھی میدان میں اتر آئے ہیں اور اس اہم مسئلے نے عالم اسلام میں پائے جانے والے ولولے اور تحرک کو ثابت کر دیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا وجود مبارک، مسلمانوں کا مرکز اتحاد ہے یعنی یہ وہ ذات ہے کہ جس پر مسلمانوں کے تمام مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کا اتفاق ہے اور سبھی اس ایک حقیقت یعنی رسول اسلام کے وجود بابرکت کا اعتراف کرتے ہیں اس مسئلے میں شیعہ، سنی اور اعتدال پسند اور انتہا پسندوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے سارے مسلمان دل و جان سے پیغمبر اکرمؐ کو مانتے اور ان پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہیں۔

دشمن کہ جسے اس وقت عظیم احتجاجات کا سامنا ہے اس کوشش میں ہے کہ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر ان میں دشمنی پیدا کرے البتہ مستکبروں اور دشمنوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مختلف اسلامی فرقوں کے درمیان اختلاف ڈالیں اور ان کو ایک دوسرے کے مد مقابل لا کھڑا کریں/ لیکن وہ اس بات سے غافل ہیں کہ اگرچہ مسلمان بعض مسائل و عقائد میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان کے درمیان کچھ مشترکہ اصول بھی ہیں اور ان اصولوں میں سے ایک اہم ترین اصول، پیغمبر اسلامؐ کی ذات مبارک ہے جو سب مسلمانوں میں مشترک ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کے وجود کو کائنات میں ایک درخشاں ترین ستارے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے/ پیغمبر اسلامؐ کا وجود کہکشاں کی طرح ہے اور آپؐ کی ذات اقدس میں ہزاروں درخشاں فضیلتیں موجزن ہیں/ پیغمبر اعظمؐ میں علم، اخلاق کے ہمراہ/ حکومت، حکمت کے ہمراہ/ عبادت خدا، مخلوق کی خدمت کے ہمراہ/ جہاد، رحمت کے ہمراہ/ خدا سے عشق، مخلوقات خدا سے عشق کے ہمراہ/ عزت، انکساری اور خاکساری کے ہمراہ/ خدا کی یاد میں غرق ہونا، جسم کی سلامتی کے ہمراہ/ اور اعلی الٰہی اھداف و مقاصد، انسانوں کے پرکشش اھداف کے ہمراہ ہیں۔ عالم وجود میں آپؐ خداوند عالم کا ایک کامل ترین نمونہ ہیں اور آپؐ کے جیسے کامل ترین مخلوق خدا نے خلق ہی نہیں کی ۔وہ بشارت دینے والے اور تمام انسانوں کو خدا کی جانب دعوت دینے والے ہیں اور انسانوں کی ھدایت کی راہ میں روشن چراغ ہیں۔

بشکریہ: حجاج ڈاٹ کام

انبیاءؑ کے انقلاب کی خصوصیات

مفکر اسلام، شہید سید محمد باقر الصدر (قدس سرہ)
ترجمہ: شہید سید سعید حیدر زیدی

مغرب کے طرفداروں اور مغرب زدہ لوگوں کی طرف سے بارہا اور مسلسل یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام دین ہے. تحریک نہیں' عقیدہ ہے نظامِ حیات نہیں۔ باالفاظ دیگر اسلام خدا اور بندے کے درمیان رابطہ ایجاد کرتا ہے لیکن کسی مملکت میں ایک سماجی انقلاب بپا کرنے کی صلاحیت کا حامل نہیں۔

یہ بے چارے اس بات سے واقف نہیں کہ اسلام ایک انقلابی تحریک کا نام ہے جو زندگی کو عقیدے سے جدا نہیں سمجھتا۔ اسلام میں معاشرتی حیات اور روحانی پہلو دو متفاوت عنصر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طول تاریخ میں اسلام ایک معاشرتی اور روحانی انقلاب رہا ہے۔

اسلامی عقیدے کا جوہر توحید ہے' اسلامی توحید قبول کرکے انسان غیر خدا کی بندگی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کو قبول کرلینا انسان کو ہر قسم کی پرستشوں سے نجات دلا دیتا ہے اور انسان کو داخلی آزادی فراہم کرتا ہے۔ اسی فطری آزادگی کے نتیجے میں انسان دنیا کی تمام ثروت

اور اس کے تمام ذخائر کو غیر خدا کی ملکیت سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ یعنی داخلی آزادی انسان کو خارج میں بھی غیر خدا کی ہر قسم کی وابستگی سے آزاد کر دیتی ہے۔

امام امیر المومنینؑ اپنے ایک خطبے کے ضمن میں ان دونوں حقیقتوں کو باہم مربوط کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''العباد عباد اللہ و المال مال اللہ''۔ ''بندے خدا کے بندے ہیں اور مال خدا کا مال ہے''۔

راہِ خدا میں خواہ کیسے ہی موانع اور رکاوٹیں کیوں نہ در آئیں اسلام ان سب کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ خواہ وہ بت ہوں' خواہ خوفزدہ کر دینے والے اُمور' خواہ اساطیر ہوں' یا وہ روئے زمین پر حکومت کرنے والے بادشاہ ہوں' خواہ وہ فرد کی حکومت ہو یا جماعت کی حکومت' خواہ عوام کا نام استعمال کر کے کسی خاص طبقے کے مفاد کے لئے کوئی سامنے آئے اور یہ چاہے کہ لوگوں کی فطری ترقی اور رشد کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرے اور ان کی گردنوں میں اپنی اطاعت و بندگی کا طوق پہنائے۔ مذکورہ سب کے سب مظاہر غیر خدا کی پرستش کی مختلف صورتیں ہیں اور اسلام انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ ان کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔

اسی بناء پر وہ اسلام جس کے قیام و نفاذ کے لئے انبیاء الٰہی مبعوث ہوئے اور جس کے لئے انتھک جدوجہد کی وہ ظلم و ستم' استحصال اور غلامی کے خلاف ایک معاشرتی انقلاب ہے۔

یہی وجہ تھی کہ وہ تمام انبیاءؑ جو اس پرچمِ ہدایت اور مشعلِ نور کو بلند کئے ہوئے تھے انہوں نے اپنی تمام تر توجہات معاشرے کے محروم اور مظلوم طبقات پر مرکوز رکھیں۔ یہ وہی محروم لوگ تھے جنہیں افسانوی اور جھوٹے خداؤں نے انتشار و افتراق' فکری اضمحلال اور نفسیاتی محرومیوں میں مبتلا کر رکھا تھا تاکہ وہ ہمیشہ استحصالی عناصر اور استثمار کرنے والوں کے لئے تر نوالہ بنے رہیں۔

تاریخ میں رونما ہونے والے دوسرے انقلابات پر انبیاء کے بپا کردہ انقلاب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ ایک ساتھ انسان کو داخلی طور پر اور جہانِ ہستی کو بیرونی طور پر آزادی عطا کرتا

ہے اور ہم اسلامی تعلیمات کی اصطلاح کی روشنی میں اوّل الذکر آزادی کو "جہادِ اکبر" اور ثانی الذکر آزادی کو "جہادِ اصغر" کا نام دیتے ہیں۔ جہاد اصغر (خارجی آزادی) کا کام جہاد اکبر (داخلی و روحانی آزادی) کے بغیر ناممکن ہے۔

اب تک کی گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

اولاً یہ کہ اسلام اس لئے نہیں آیا کہ استحصال کی ایک قسم کا خاتمہ کرکے اس کی جگہ کوئی دوسری قسم رائج کردے اور نہ ہی اس کی آمد کا یہ مقصد ہے کہ ظلم و سرکشی کی کسی ایک خاص شکل کو مٹا کر اس کی جگہ کسی دوسری شکل کو رواج دے۔

جس وقت اسلام انسانوں کو استحصال کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہے تو عین اسی وقت خود انسانوں کے اپنے اندر موجود دوسروں کے استحصال کی بری جڑوں کو بھی کاٹتا ہے اور کائنات اور زندگی کے بارے میں اس کے طرزِ فکر میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔

اللہ جلّ شانہ' کا ارشاد ہے کہ۔"ونُرِیدُ أنّ نمنّ علی الّذین استُضعِفوُا فی الارض و نجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین"۔

"اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور بنادیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیں[۱]"۔

غور کیجئے آیۂ کریمہ میں کس طرح وہ انقلابی اعمال کو پہلو بہ پہلو قرار دیا گیا ہے؛ یعنی محروم و مظلوم پیشوا بنادیئے جائیں گے اور اس عمل کے ساتھ ہی ساتھ وہ زمین کے وارث بھی ہوجائیں گے۔ یہ دونوں امر یعنی استثمار و استحصال کرنے والوں کے بجائے محروموں و مظلوموں کی جانشینی اور مستکبرین کے ہاتھوں سے زمامِ امور کا لیا جانا ایک ہی زمانے میں انجام پائیں گے۔

۱۔ سورہ قصص ۲۸ آیہ ۵

محروموں کا امام و پیشوا ہونا' یعنی ان کا اندر سے پاک ہونا تاکہ پیشوائی کے مرتبے پر پہنچ سکیں اور مثالی انسان بن سکیں۔

لہٰذا پیغمبروں کے ہاتھوں رونما ہونے والی کوئی بھی انقلابی تبدیلی جاگیرداری کی جگہ سرمایہ داری انقلاب' یا سرمایہ داری انقلاب کی جگہ پر ولتاریوں کے انقلاب کی مانند نہیں۔ یعنی انبیاءؑ کے انقلاب کی صورت میں صرف استحصال کرنے والا نہیں بدلتا۔ بلکہ انبیاءؑ کا مشن ہر قسم کے ظلم و ستم اور استحصال کا مکمل خاتمہ کا ہے۔

قرآنِ کریم ایک دوسری آیت میں ان محروموں کے اوصاف کا تعین کرتا ہے جنہیں زمین میں خلافت سونپی جائے گی۔

"الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوۃ وا تو الزکاۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور" ۔ " ہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکات ادا کی اور نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا اور یہ طے ہے کہ جملہ امور کا انجام خدا کے اختیار میں ہے"[۱]

دوسرے یہ کہ استحصال اور ظلم و ستم کے خلاف انبیاءؑ کے جہاد نے دیگر معاشرتی انقلابات کے برعکس طبقاتی رنگ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ انبیاءؑ کا جہاد ایک انسانی انقلاب کے لئے ہے اور ہر چیز سے قبل خود انسان کو داخلی آزادی عطا کرتا ہے۔ اسلامی انقلاب کا معاشرتی پہلو داخلی انقلاب کے بعد کی منزل ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرمؐ انسان کو داخلی طور پر آزادی دینے والے انقلاب کو "جہادِ اکبر" کہتے ہیں اور بیرونی آزادی کے لئے انقلاب کو جیسا کہ ہم نے قبل ازایں بیان کیا "جہادِ اصغر" کا نام دیتے ہیں۔

۱۔ سورہ حج ۲۲ ۔آیت ۴۱

اسلام داخلی آزادی اور جہادِ اکبر کے ذریعے نیک سیرت انسانوں کے دلوں میں خیر و عطا کے تمام دروازے کھول دینے میں کامیاب ہوا۔ یہاں تک کہ ظلم و سرکشی کے خلاف مقابلے کے میدان میں دولت مند اور تنگ دست شانہ بشانہ لڑے۔ کل کا استحصالی آج مظلوموں کا ساتھی بن گیا تاکہ ظالموں کے خلاف ایک صفِ واحد تشکیل دے۔

ایسا اتحاد و اتفاق اس وقت وجود میں آتا ہے جب "جہادِ اکبر" (یعنی تزکیۂ نفس) کے ذریعے بلند انسانی اقدار روبہ عمل آتی ہیں

یہ بات جاننی چاہئے کہ ایسا انسان انبیاءؑ کی راہ کا راہی نہیں جو انسان کی قدر و منزلت کو مالکیت' ذرائع پیداوار اور زمین کی ملکیت کے پیمانوں پر ناپتا ہو اور یہ تصور کرتا ہو کہ انسانی قدر و قیمت اس ملکیت میں مضمر ہے اور یوں اپنے استحصالیوں سے زمین اور جاگیر چھیننے کی فکر میں لگ جائے۔ اس طرح تو سارا جہاد دو طبقات کی جنگ ہو جائے گا اور انسان نچلے طبقے سے بالائی طبقے میں جانے کی فکر میں رہے گا۔

بلکہ انبیاءؑ کی راہ کا انقلابی وہ ہے جو انسانی اقدار پر ایمان رکھتا ہو اور انسان کی قدر و قیمت اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ خدا کی جانب حرکت کرے اور یہ حرکت اس کی تمام کوششوں کو انسانی اقدار کے حصول کے لئے کام میں لائے اور اسے استحصالیت کے خلاف ایک بے نیام تلوار بنا دے۔ وہ استحصالیت جو انسانی اقدار کی نابودی کا عامل اور انسانیت کو اس کی حقیقی راہ سے ہٹا دینے کا باعث ہے' وہ استحصالیت جو بلند ہدف تک رسائی کی راہ میں انسان کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہے اور اسے مال و زر جمع کرنے میں مشغول کر دیتی ہے۔

اس پیغمبرانہ انقلاب کی کامیابی کا واحد عامل "جہادِ اکبر" کے سلسلے میں اس انسان کی کامیابی کا پیمانہ ہے' اس کا معاشرتی مقام اور طبقاتی وابستگی نہیں۔

(بشکریہ: رسالت حوزہ)

ہادی اعظمؐ کی تبلیغی روش

استاد شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ
ترجمہ: شہید سید سعید حیدر زیدیؒ

بشیر ونذیر:

''بشیر'' کے معنی مژدہ سنانے یا بشارت دینے کے ہیں۔ اس کا مفہوم تشویق ورغبت دلانا ہے۔ مثلاً اگر آپ چاہیں کہ اپنے بچے کو کسی کام کے کرنے پر ابھاریں تو ان دو میں سے کسی ایک یا دونوں ہی راستوں سے یہ مقصدِ واحد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان میں سے ایک تشویق ونوید کی راہ ہے، مثلاً جب آپ چاہیں کہ آپ کا بچہ اسکول جائے تو آپ ان آثار، نتائج اور فوائد کا تذکرہ کریں گے جو اسکول جانے سے حاصل ہوتے ہیں تاکہ آپ کے بچے میں اسکول جانے کی رغبت، شوق اور تحریک پیدا ہو اور اس کی روح وفطرت اس کام کی عاشق اور اس کی جانب مائل اور اس میں اس طرف رجحان پیدا ہو۔

(بچے کو اسکول جانے پر آمادہ کرنے کا) دوسرا راستہ یہ ہے کہ اس کے سامنے اسکول نہ جانے کے خطرناک اور ناپسندیدہ نتائج کا ذکر کریں گے، یعنی اگر انسان اسکول نہ جائے، بے پڑھا لکھا رہ جائے تو اس کے ساتھ ایسا، ایسا ہوتا ہے اور یوں بچہ ان نتائج سے محفوظ رہنے کے لئے تعلیم کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔

ان دونوں کاموں میں سے ایک آپ کا بچے کو تبشیر و تشویق کرنا ہے، اسے آگے کی طرف سے کھینچنا ہے۔ دعوت، تشویق اور تحریک آگے کی طرف سے رغبت دلانے کا نام ہے اور آپ کا دوسرا کام انذار وخوف دلانا ہے۔ البتہ انہی معنوں میں جس کا ہم نے ذکر کیا (خطرے کا اعلان کرنا) اسے پیچھے کی سمت سے دھکیلنا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "تبشیر" قائد ہے اور "انذار" سائق۔ قائد یعنی آگے سے کھینچنے والا، مثلاً ایسا شخص جو گھوڑے یا اونٹ کی مہار کو پکڑ کر آگے آگے چلتا ہے اور حیوان اس کے پیچھے پیچھے آتا ہے اسے قائد کہتے ہیں اور سائق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو پیچھے سے حیوان کو ہنکاتا ہے۔

تبشیر قائد کا حکم رکھتی ہے یعنی آگے کی سمت سے کھینچتی ہے اور انذار سائق کا حکم رکھتا ہے یعنی پیچھے سے ہنکاتا ہے اور یہ دونوں ایک ہی عمل انجام دیتے ہیں۔ اب اگر یہ دونوں عمل ایک ساتھ انجام دیئے جائیں، یعنی قائد بھی کام کرے اور سائق بھی، ان میں سے ایک حیوان کو آگے سے کھینچے اور دوسرا پیچھے سے ہنکائے تو یہ دونوں اس واحد پر حکم فرما ہوں گے اور یہ دونوں ہی عمل ضروری ہیں، یعنی تبشیر اور انذار میں سے کوئی ایک بھی تنہا کافی نہیں ہے۔ تبشیر شرطِ لازم ہے لیکن شرط کافی نہیں اور اسی طرح انذار بھی شرطِ لازم ہے شرط کافی نہیں۔ قرآن کریم کو "سبع المثانی" کہنے کی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ اس میں ہمیشہ تبشیر وانذار ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ یعنی اس میں ایک طرف بشارت ونوید ہے اور دوسری طرف انذار وخطرے کا الارم۔

دعوت کے دوران یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہونی چاہئیں۔ کسی مبلغ وداعی کا صرف تبشیر یا صرف انذار پر اکتفا کرنا درست نہیں بلکہ اس کا رجحان اور جھکاؤ تبشیر کی جانب ہونا چاہیے اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم تبشیر کو مقدم رکھتا ہے: "بشیراً ونذیراً، مبشراً ونذیراً"

تنفیر:

تبشیر وانذار کے علاوہ بھی ایک عمل پایا جاتا ہے جسے "تنفیر" یعنی بھگانے کا عمل کہتے ہیں، کبھی کبھی انسان انذار کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے دوران غلطی سے تنفیر کر بیٹھتا ہے۔انذار اس وقت انذار کہلاتا ہے جب اس سے "سائق" کا عمل انجام پائے، یعنی حقیقتاً ایک شخص کو پیچھے کی طرف سے آگے بڑھائے، لیکن تنفیر کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسا عمل انجام دیا جائے جس سے وہ شخص بھاگ کھڑا ہو (اس بات کی وضاحت کے لئے) ہم ایک مرتبہ پھر حیوان کی مثال پیش کرتے ہیں۔مثلاً انسان ایک اونٹ یا گھوڑے یا کسی اور جانور کو کھینچتا ہے،اس کے بعد چاہتا ہے کہ اسے اور دوڑائے تو پیچھے سے شور کرکے اسے دوڑانے کی کوشش کرتا ہے۔یہ عمل اس طرح انجام دیتا ہے کہ ایک مرتبہ حیوان سختی سے اپنا سر بلند کرتا ہے،لگام تڑاتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔اسے "تنفیر" کہتے ہیں۔

بسااوقات انسانی روح پر بھی بعض دعوتیں تنفیر کا اثر رکھتی ہیں۔یعنی اسے آگے نہیں بڑھاتیں،اس کی قائد نہیں ہوتیں بلکہ اس کے لئے تنفیر بن جاتی ہیں۔یعنی اس میں نفرت ایجاد کردیتی ہیں،اسے بھگا دیتی ہیں اور یہ ایک نفسیاتی اصول ہے۔انسانی روح اور نفسیات اسی طرح سے ہوتی ہے۔ (یہاں بھی ہم) وہی بچے اور اسکول والی مثال عرض کرتے ہیں۔بسااوقات والدین یا بعض اساتذہ بچوں کو تبشیر وانذار کی بجائے تنفیر کر بیٹھتے ہیں۔یعنی ایسا کام کر ڈالتے ہیں کہ بچے میں اسکول سے ایک طرح کی نفرت اور گریز پیدا ہوجاتی ہے اور اس کے رد عمل میں بچہ اسکول سے جی چرانے لگتا ہے۔

تاریخ کہتی ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ نے یمن کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی غرض سے معاذ بن جبل کو روانہ کیا تو (سیرت ابن ہشام کے مطابق) انہیں ان الفاظ میں نصیحت کی: "یا معاذ! بشر ولا تنفر، یسر ولا تعسر"۔

تم تبلیغ اسلام کے لئے جارہے ہو، تمہارے کام کی اساس تبشیر، نوید اور حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ایسے عمل انجام دو کہ لوگ اسلام کے امتیازات سے واقف ہوں اور شوق ورغبت کے ساتھ اسلام کی طرف رجحان پیدا کریں۔

آنخضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ "تلاتنذر"انذار نہ کرنا، کیونکہ انذار قرآن کریم کے دیئے ہوئے دستورالعمل کا حصہ ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے جس نکتے کی جانب توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ "بشر ولا تنفر"یعنی ایسا کام نہ کرنا جو لوگوں کو اسلام سے دور بھگادے۔انہیں اس سے متنفر کردے، (کسی دینی) مفہوم کو ایسے بیان نہ کرنا جس کا نفسیاتی رد عمل لوگوں کے اسلام سے دور ہونے کی صورت میں ظاہر ہو۔

یہ عظیم نکتہ وضاحت اور تشریح کا متقاضی ہے۔ لیکن اس سے پہلے رسول اکرمؐ سے صادر ہونے والے ایک دوسرے نکتے اور اس کی توضیح وتشریح، تفسیر اور تائید پر مشتمل ائمہ اہل بیتؑ سے صادر ہونے والی ایک دوسری روایت عرض کرتا ہوں۔

لطافتِ روح:

انسانی روح غیر معمولی طور پر لطیف ہے اور بہت تیزی کے ساتھ رد عمل ظاہر کرتی ہے۔اگر انسان کوئی کام کرتے ہوئے خود اپنی روح پر دباؤ ڈالے (چہ جائے کہ دوسروں کی روح پر) تو اس کے مقابلے میں انسانی روح گریز اور فرار کی صورت میں رد عمل ظاہر کرتی ہے۔مثلاً عبادت کے حوالے سے پیغمبر اکرمؐ کی نصیحتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت کے دوران جب تک تمہاری روح نشاط وسرور محسوس کرے تب تک عبادت کرو، یعنی عبادت کو شوق ورغبت کے ساتھ انجام دو، جب کچھ عبادت کرلو، نماز پڑھ لو، مستحبات کو بجالاؤ، نافلہ کو انجام دے لو، قرآن کی تلاوت کرلو، شب بیداری کرلو اور اب تمہیں عبادت بھاری اور سخت محسوس ہونے لگے، یعنی تم اسے بالجبر خود پر مسلط کئے ہوئے ہو، تو فرمایا: "بس یہی کافی ہے، عبادت کو خود پر مسلط نہ کرو، جوں ہی

اسے مسلط کروگے تمہاری روح آہستہ آہستہ عبادت سے گریز کرنے لگے گی، یوں محسوس کرے گی گویا عبادت کو ایک کڑوی دوا کے طور پر اسے دیا جارہا ہے، اس وقت اس میں عبادت کے بارے میں برا خیال پیدا ہوگا۔ ہمیشہ کوشش کرو کہ عبادت میں نشاط وسرور ہو اور تمہاری روح میں عبادت کی خوشگوار یاد باقی رہے۔

آنحضرتؐ نے جابر سے فرمایا: ”یَاجَابِرُ! ان هذا الدين لمتين فاوغل فيه برفق ولا تبغض الى نفسك عبادة الله فان المنبت لا ارضاً قطع ولا ظهراً ابقى“۔

اے جابر! اسلام دینِ متین ہے، اپنے ساتھ نرمی کا سلوک کرو، اوراس کے بعد فرماتے ہیں (کس قدر عالی تشبیہ ہے) جابر! وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ خود پر دباؤ بڑھا کر، اپنے ساتھ سخت گیری کرکے جلد اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے وہ غلطی پر ہیں۔ وہ کسی صورت اپنے نصب العین کو نہ پاسکیں گے۔ یہ لوگ اس شخص کی مانند ہے جسے شہر بہ شہر سفر کے لئے ایک سواری دی جاتی ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ جس قدر اس سواری کو مارے گا اسے چابک رسید کرے گا، اسی قدر جلد از جلد سفر طے کرلے گا۔ تو پہلے پہل تو وہ دیکھتا ہے کہ حیوان تیز رفتاری سے منزلیں طے کررہا ہے۔ لیکن ایک مرتبہ اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اس عمل سے حیوان کو زخمی کردیا ہے اور حیوان راستے میں جابجا کھڑا ہو جاتا ہے اور منزل تک نہیں پہنچتا۔

فرمایا: ایسا شخص جو خود زبردستی کرتا ہے اور اپنی استعداد سے بڑھ کر اپنے اوپر بوجھ ڈالتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جلد اپنے مقصد کو پالے گا تو وہ یکسر مقصد تک نہیں پہنچ پاتا۔ اس کی روح اس زخمی سواری کی مانند ہوجاتی ہے اور وہ درمیانِ راہ میں رہ جاتا ہے اور پھر اس کے قدم نہیں اٹھتے، لوگوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

(بشکریہ: رسالت حوزہ)

شہید عارف حسین الحسینی کی نظر میں ہفتہ وحدت اور میلاد پیغمبر

سید نثار علی الحسینی الترمذی

حضرت رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کے لئے مرکز ہدایت محبت ومودت ہیں۔ تمام نسبتیں انہیں کی وجہ سے معتبر ہیں مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان کے یوم میلاد میں بھی اختلاف ہے جو دراصل تاریخ کا کیادھرا ہے۔ اکثریت کے نزدیل رائے ج تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے جب کہ اہل تشیع کے نزدیک یہ تاریخ ۱۷ ربیع الاول ہے۔ اس جزوی اختلاف کی وجہ سے مرکز وحدت واتحاد کا یوم میلاد بھی مشترکہ منانا ممکن نہ رہا۔

آخر تاریخ نے کروٹ بدلی اور امام خمینی نے ایران میں استعماری شہنشاہیت کا تختہ الٹ کر ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ آپ نے انقلاب کے فلسفہ وحدت اسلامی کو مرکزی حیثیت دی اور بہت سے عملی کام انجام دیے۔ انہی میں ایک میلاد النبی کی تاریخ کی خلیج کو پاٹنا تھا۔ آپ نے ۱۲ تا ۱۷ ربیع الاول ہفتہ وحدت کے عنوان ے منانے کا اعلان کیا، یوں مسلمانوں کو اس مئلہ پر اتفاق واتحاد کے اظہار کا موقع ملا۔

علامہ عارف حسین الحسینی نے امام خمینی کے اس عمل کو پاکستان میں رواج دیا۔ یوں ۱۲ تا ۱۷ ربیع الاول ہفتہ وحدت کے عنوان سے منایا جانے لگا۔ مشترکہ اجتماعات منعقد ہوئے۔ ملک کے کونے کونے میں لوگوں نے اس مثبت پیش رفت کو خوش آمدید کہا۔

آپ نے ہفتہ وحدت کی مناسبت اپنے پیغام میں یوں وضاحت کی۔

''علماء اہل تسنن کے نزدیک آنحضرت کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول ہے جب کہ علماء تشیع کے مطابق ۱۷ ربیع الاول کو واقع ہوئی۔ تو یہ مدت وحدت واخوت کو برقرار رکھنے کے لئے سنہری موقع سے تعبیر کرتے ہوئے ہمیں انسانیت کے عظیم محسن کی میلاد سعید کو کو ایک روز منانے کے بجائے پورا ہفتہ منانا چاہیے۔۔ اس ہفتہ کو ''ہفتہ وحدت'' سے موسوم کرکے تمام مسلمانوں کو اتحاد بین المسلمین کے اساسی اور لازمی امر کی جانب متوجہ کرنا چاہیے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس ہفتہ کی مناسبت سے مشترکہ اجتماعات کے ذریعے دشمنان اسلام کے مذموم عزائم کو خاک میں ملادیں کیونکہ وحدت وبرادری کے رشتے ہی دشمنوں کے مقابلے میں اسلحہ اور ان کے مفادات کے لئے خطرہ ہے۔'' (اسلوب سیاست، ص ۲۱)

اسی نسبت سے ایک اور پیغام میں یوں وضاحت کی گئ:

'' ہفتہ وحدت کی مناسبت سے میں مسلمانان عالم سے اپیل کرتا ہوں کہ قرآن پاک اور اسلام کی عظیم تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے اختلافات ونفاق کو بالائے طاق رکھ کر پرچم توحید کے سائے میں دشمنان اسلام کے مقابلے میں متحد ہو جائیں۔ ہر قسم کے رنگی، نسلی، جغرافیائی اور فرقہ وارانہ امتیازات وتعصّبات سے بالاتر ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ آج اسلام اور کفر کا مسئلہ درپیش ہے۔ کفر اور سنی یا کفر اور شیعہ کا مسئلہ نہیں ہر وہ آواز یا تحریر جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف وبدگمانی پیدا کرے شیطانی آواز تصور کی جائے۔ اختلاف شیطان کے جنود (لشکر) میں سے ہے اور اتحاد رحمان کے جنود میں سے۔ جس تحریر یا تقریر یا عمل سے مسلمانوں کو نقصان اور سامراج کو فائدہ پہنچتا ہو، اسے کبھی حق سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ ناپاک سامراجی عزائم کی راہ ہموار کرنے والا شخص کبھی حق کا طرفدار نہیں کہلا سکتا بلکہ وہ سامراجی ایجنٹ اور مسلمانوں کا دشمن تصور ہوگا۔'' (اسلوب سیاست، ص ۲۵)

شہید کے عزم کا اظہار ان کے پختہ ارادوں سے ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ناسمجھ لوگوں میں دعوت اتحاد دے رہے تھے۔ جہاں ہفتہ وحدت کے داعی امام خمینی جیسی عظیم ہستی کو ہدف تنقید

بنایا جارہا ہو مگر وہ تمام خطرات کے باوجود دعوت اتحاد لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ یہاں پر لوگوں نے بہت باتیں کیں جن میں ایسے شیعوں کی بھی کمی نہ تھی جو کہتے تھے کہ جہاں اتحاد بین المومنین نہ ہو رہا وہاں اتحاد بین المسلمین کی بات کون سنے گا۔ مگر آپ امام خمینی کی دعوت پر خلوص دل سے لبیک کہہ چکے تھے اور ان کے پیغام کو پوری توانائی کے ساتھ پاکستان میں پہنچا رہے تھے۔۔۔۔

بشکریہ:
نقیب وحدت علامہ عارف حسین الحسینی (رح)
تالیف سید نثار علی الحسینی الترمذی۔
ناشر: البصیرہ اسلام آباد

دوسرا حصہ

کالمز

ولادت ختمی مرتبت

مصطفیٰ علی روحانی شگر

17 ربیع الاول یکم عام الفیل بروز جمعہ کے صبح کا چہرہ سفید ہوا۔ سورج خوشی سے زرد گلاب کی مانند کھِل اُٹھی۔ پہاڑیں تعظیم میں کھڑے تھے۔ سورج کی آنکھیں زمین کی طرف تھی جبکہ آسمان رخ بہ زمین جھکی ہوی تھی۔

درختوں کے پتے جھوم رہے تھے۔ آبشاریں ڈانس کررہے تھے۔ دریا کی موجیں رقص کررہے تھے۔

آسمان وزمین کو زینت کی گئی تھی۔ فرشتے جوق درجوق روئے زمین پر نازل ہورہے تھے۔

اتنے میں آسمان سے زمین کی طرف رحمت کا ردوازہ کھل گیا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور حضرت آمنہ علیہ السلام کے خواب کی تعبیر، رحمت العالمین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ولادت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی کیا خوب تشریف آوری ہے کہ جس سے پھولوں کو مہک، چڑیوں کو چہک ملیں۔ ابرہہ تباہ ہوا، کسری کا ایوان لرز گیا، بحیرہ ساوہ خشک ہوگیا، آتش کدہ ایران بجھ گیا۔ ظلم وبربریت کے ایوانوں کے دیواریں گر گئیں۔ عدل وانصاف کو طاقت ملی۔ اور شیطان لعین کا کمر ٹوٹ گیا۔

کرہ ارض پر چشمے بہنے لگے اور روئے زمین سرسبز وشاداب ہوا۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام طواف کعبہ میں مشغول تھے اتنے میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہاالسلام کی کنیز خوشی سے نہال ڈورتی ہوئی آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ولادت باسعادت کی خبر دی تو حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تیرنے لگے، اور بے اختیار کعبہ کا غلاف تھام کر بلند آواز سے اللہ تعالی کو پکارتے ہوئے عرض کیا:

اے اللہ تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں، تو نے میرے مرحوم بیٹے کے گھر میں چراغ روشن کیا، آمنہ کو بیٹا عطا کیا اور مجھے بڑھاپے میں سہارا دیا۔ اے اللہ تو اس کی حفاظت فرما۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے اپنے پوتے کو گلے لگانے کے لئے گھر تشریف لائے، خوشی کا عالم یہ تھا کہ ہوائیں مستی کی حالت میں بغل گیر ہو رہی تھیں، آپ کا قدم مبارک زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

میں کیا توصیف کروں اس کی؟ جس کا لہجہ

وما ینطق عن الھوی ان ھو الّا وحی یوحی

ہو اور جس کا چہرہ والشّمس اور زُلفیں واللیل ہو اور جس کے افعال وما رمیت اذ رمیت کا مصداق ہو اور جس کی صورت پر حضرت یوسف علیہ السلام رشک کریں۔ جس کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جائے اور درخت چل کر آئیں۔ اور جس کی عظمت و مرتبت قاب قوسین سے بھی بلند تر ہو وہ ہستی غریبوں کا ملجا، یتیموں کا ماوا بن کر

اِنّکَ لَعلٰی خلقٍ عظیم

کا مالک فقیروں اور یتیموں کے ساتھ زمین پر بیٹھیں اور بچوں کو سلام کریں۔ طائف کے لوگوں کے لئے دعا کریں اور اذیت پہنچانے والے کی عیادت کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حیات طیبہ تمام کائنات کے لئے راہ عمل اور اسلوب سعادت کے بے مثال منبع، مرکز اور منتہا ہے مگر افسوس ہم مسلمانوں پر کہ جن کی طاقت صرف غریبوں پر چلتی ہے۔ اہل ایمان کے لئے ان کی جانوں سے کہیں زیادہ قریب اور محبوب پیغمبر کی امت خود

ایک دوسرے کا دشمن بن کر دشمن اسلام کے ساتھ دوستی کریں اور عبادت میں سستی، اطاعت میں کوتاہی، احکام الٰہی کی نافرمانی اور شانِ اہلبیت علیہ السلام میں گستاخی کرکے بھی محب اور امتی رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مرکز اتحاد ہے۔ لہٰذا اگر ہم واقعادل سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے محب اور امتی ہیں تو آئیں ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات اقدس کے ساتھ عہد کریں کہ ہم ایک دوسرے کو کافر کافر نہیں کہیں گے ایک دوسرے کا خون نہیں بہائیں گے۔ دشمن کے مقابلے میں متحد رہیں گے۔

سیرت نبویؐ میں وحدت۔

اکبر فیاضی

انسان حب ذات، دفع ضرر، جلب منفعت جیسی فطری جبلتوں کا مجموعہ ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرے ہمیشہ تنازعات، تفرقے اور آپسی رنجشوں کا شکار رہے ہیں۔

قومی، قبائلی، حزبی، لسانی اور گروہی تعصّبات بھی جوامع بشری میں افراتفری اور اختلافات کے اساسی عوامل میں سے شمار ہوتے ہیں۔

تاریخ بشریت گواہ ہے کہ انہی عوامل کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں اور ناامنی، بے چینی اور افراتفری نے انسانوں پر عرصہ حیات تنگ کئے ہیں۔

انسان کو اس زبوں حالی اور افراتفری سے نکال کر امن وامان چین سکون کی زندگی گزارنے کا واحد سبب اتحاد، ہمبستگی اور اتفاق جیسی عظیم نعمت ہے جس کے ہوتے ہوے انسان کبھی ناامنی کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔

اور کسی بھی معاشرے میں اتحاد پیدا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس معاشرے میں بلا تفریق وامتیاز تمام انسانوں کے مفادات کی حفاظت کیلے محکم قوانین وضع کرکے ان پر عمل نہ کئے جائیں۔

البتہ قانون سازی کا حق اگر عام انسانوں کے ذمے لگائے جائیں تو یقینا وہ قوانین وضع کرتے ہوے شخصی، قومی، حزبی اور قبائلی مفادات کو مد نظر رکھ کر بنائیں گے تو کمزور، نادار اور محروم طبقے دبارہ ظلم و ستم کی چکی میں پس جائیں گے اور قانون سازی کا عمل بیہودہ ہو کر رہے گا۔

اسی لئے خداوند عالم نے ابتداء خلقت بشر سے ہی انبیاء کرام ع کو قوانین الہی کے ساتھ مختلف جوامع انسانی میں مبعوث کرتے رے تاکہ لوگوں کو کلمہ توحید اور توحید کلمہ کی طرف بلالیں اور اختلافات اور افراتفری سے انسانی معاشروں کو بچایا جاسکے۔

بعثت نبی مکرم ﷺ اسلام :

جب دنیا پر ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، انسان انسانوں کے ہاتھوں پست و ذلیل ہوچکا تھا، طاقت ،دولت اور زور ہی واحد قانون تھا کہ جس کا زور زیادہ تھا اسی کا سکہ پورے معاشرے میں رائج ہوتا تھا۔ اتحاد۔ اتفاق۔ یکجہتی اور وحدت جیسے مفاہیم سے وہ ناآشنا تھے اور انسانی جوامع حیوانیت کا منظر پیش کررہے تھے۔

اسی عالم میں خداوند عالم نے ظلم و ستم کے خوگر معاشرے کی نجات کے لئے اپنے آخری نبی ﷺ کو رحمت عالم بنا کر مبعوث کیا تاکہ عدل و انصاف کا بول بالا ہو اور انسانی معاشروں کو حیوانیت سے نکال کر آرام و راحت، چین و سکون اور امن و امان کی زندگی گزارنے کا ہنر سکھادیں۔

بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے وحدت آفرین اقدامات :

بعثت سے پہلے آپ ﷺ شرک و بت پرستی اور ظلم و ستم سے آلودہ معاشرے میں زندگی کر رہے تھے اور آپ ﷺ پوری طرح ان حالات سے واقف تھے لہذا آپ ﷺ نے اس معاشرے میں قیام وحدت کیلے موثر کرادار کیا اور کئی بار مکہ میں موجود قبائل میں اٹھتے ہوے

خطرناک اختلافات کو احسن طریقے سے قابو کیا۔حلف الفضول، حجر اسود کے نصب کرنے اور۔۔۔کے واقعات اس بات کا گواہ ہیں۔

بعثت کے بعد وحدت کے لئے اقدامات:

بعثت کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے مشرکین مکہ کو وحدت کلمہ کی طرف دعوت دی اس کے نتیجے میں آپ کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کفار قریش نے آپ ﷺ کے ساتھ مکمل سوشل بائیکاٹ کیا اور تین سال تک شعب ابی طالب میں آپ اور آپکے دوستوں کو صعوبت کی زندگی گزارنی پڑی۔

اس کے باوجود آپ ﷺ نے وحدت وہمدلی کی دعوت سے ہاتھ نہیں کھینچا لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔

ہجرت کے بعد وحدت کے لئے کوششیں:

مدینہ ہجرت کے بعد آپ نے مختلف اقوام اور مذاہب کو یکجا کرنے کی کوشش کی جن کی تفصیلات کچھ یوں ہے:

۱۔اوس وخزرج میں ایجاد صلح: مدینہ میں قدیم سے ہی اوس اور خزرج کے نام سے دو قبیلے زندگی کر رہے تھے اور دائما جنگ وجدال میں مصروف رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں صلح وصفائی اور بھائی چارگی قائم کی۔

۲۔مہاجرین وانصار میں عقد اخوت: دوسرے قدم پر آپ ﷺ نے مکہ سے گھر بار، مال و دولت سب چھوڑ کر مہاجرت کرکے آنے والے مسلمانوں اور مدینہ میں موجود مسلمانوں کے درمیان عقد اخوت جاری کیا اور مفاد پرستی، نفسا نفسی اور آپسی رنجشوں کی بیخ کنی کرکے ایثار و

قربانی، اتحاد و یکجہتی کے شجرہ طیبہ کی بذرافشانی کی اور امن وامان کی دولت سے سرشار حکومت کی بنیاد ڈالی۔

۳۔ یہودیوں سے امن معاہدے: مدینہ میں کئی یہودی قبائل زندگی کرتے تھے جن میں بنو قینقاع، بنو نظیر، بنی قریضہ اور خیبر کے یہودی قابل ذکر ہیں

رسول اللہ ﷺ نے ان تمام یہودیوں سے صلح وامنیت کے معاہدے کئے اور ان کو مدینہ اور اسکے اطراف میں امنیت کے ساتھ زندگی کرنے کی اجازت دی لیکن یہودیوں کے سارے قبائل نے ان معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور مسلسل مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے حتی کئی بار آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازشوں کے علاوہ دشمنان اسلام کے ساتھ بھی ساز باز کرتے رہے اور مسلمانوں کے اندر زمانہ جاھلیت کے اختلافات کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی، ان تمام تخریبی کاروائیوں کے باوجود آپ ﷺ ان کو نصیحت کرتے رہے لیکن وہ راہ راست پر نہ آئے اور اسلامی معاشرہ کو نا امن کرکے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے میں کوشاں رہیں، تو آپ ﷺ نے انکے خلاف جنگی اقدامات کرکے ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ کیا۔

۴۔ عیسائیوں کو وحدت کی دعوت: جب نصارای نجران مباھلہ کے واقعے سے متاثر ہوے اور ذھنی طور پر شکست کو تسلیم کر چکے تو آپ ﷺ نے انکو فرمان خدا کے مطابق وحدت کی دعوت دی۔ جیسا کہ حکم ہوا: قُلْ یا أَهْلَ الْکِتابِ تَعالَوْا إِلى‏ کَلِمَةٍ سَواءٍ بَیْنَنا وَ بَیْنَکُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ وَ لا نُشْرِكَ بِهِ شَیْئاً وَ لا یَتَّخِذَ بَعْضُنا بَعْضاً أَرْباباً مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (آل عمران ۶۴)

اے حبیب! تم فرمادو، اے اہلِ کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں کوئی ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کو رب نہ بنائے پھر (بھی) اگر وہ منہ پھیریں تو اے مسلمانو! تم کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم سچے مسلمان ہیں۔۔

اس طرح آپ نے تمام قبیلوں اور مذاہب کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کے ساتھ زندگی گزارنے کا درس دیا جب تک کوئی قوم اسلامی حکومت کی امنیت کے لے خطرہ نہ بنتا آپ ان سے پیار و محبت سے پیش آتے رہے۔

فلسفہ بعثت انبیاء

شیخ سجاد علی ساجدی حوزہ علمیہ نجف اشرف

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ہی ہدایت کا اہتمام کیا اور اسی لئے انبیاء کا سلسلہ قائم کیا تاکہ تبلیغ کے ذریعے اتمام حجت ہو یہاں تک کہ خدا نے نبوت مکمل کرنے کے لئے حصرت محمدؐ کو بھیجا جن کے بارے میں انبیا سے عہد لیا گیا تھا اور جن کی ولادت لوگوں کے لئے باعث سعادت اور مبارک تھی اور آپؐ کو ایسے وقت میں مبعوث کیا کہ لوگ متفرق مذاہب، مختلف خواہشات اور منتشر راستوں پر گامزن تھے۔ لوگ مخلوقات کو خدا کی شبیہ قرار دے رہے تھے۔ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جن میں ہدایت کی رسی ٹوٹ چکی تھی، یقین کے ستون ہل گئے تھے، اصول دین میں اختلاف تھا، ہدایت ناپید اور گمراہی عام تھی، ایمان کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے اور اس کے ستون گر گئے تھے۔

ایسے وقت میں اللہ نے لوگوں پر احسان کیا اور حضرت محمدؐ کو مشہور دین اور واضح امر کے ساتھ بھیجا تاکہ شبہات زائل ہو جائیں اور دلائل کے ذریعے حجت تمام کی جاسکے۔ آیات کے ذریعے متوجہ کیا جاسکے اور مثالوں کے ذریعے سے ڈرایا جاسکے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مقصد بعثت رسول کو صحیح معنوں میں سمجھا جائے اگر اس مقصد کو نہ سمجھا جائے تو بعثت کا مقصد فوت ہو جائے گا اور معاشرے میں دور جاہلیت کی رسومات وانحرافات اور بدعتیں غالب ہو جائیں

گی۔ فلسفہ بعثت کو سمجھنے سے ہی زندگی کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں خواہ وہ مسائل فکری ہوں یا عملی، انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا اقتصادی...۔ بعثت کے مقاصد میں سے بعض کو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

ا۔ عبادت الٰہی کی طرف دعوت اور طاغوت سے اجتناب:

بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کو بت پرستی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف دعوت دینا اور طاغوت کی پیروی سے روک دینا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ نحل میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَلَقَد بَعَثنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعبُدُوا اللهَ وَاجتَنِبُوا الطَّاغُوت'' اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ (نحل: ٦٣)

مذکورہ آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طاغوت سے اجتناب اور اس کے خلاف قیام کئے بغیر انسان کی انفرادی عبادت کافی نہیں ہے اگر صرف انفرادی عبادت سے انسان کی مسوٴلیت ادا ہوتی اور ظالم و جابر حکومتوں کے خلاف قیام و مقابلہ ضروری نہ ہو تو حضرت ابراہیم خانہ کعبہ کے بتوں کو نہ توڑتے اور حضرت موسیٰ فرعون کے مقابلہ میں قیام نہ کرتے بلکہ ہر نبی نے اپنے زمانے کے سرکش و طاغوت کے مقابلے میں قیام کیا۔ انبیاء کی سیرت یہ تھی کہ معاشرے میں الٰہی نظام کو نافذ کرنے کی راہ میں جو بھی رکاوٹیں آتیں ان کو مٹانے کے لئے کوشش کرتے اور قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ پس طاغوت ہر دور میں ہوتا ہے اور مختلف طریقوں سے اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

۲۔ تزکیہ نفس وقرآن کی تعلیم:

بعثت رسول کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تزکیہ نفس اور کتاب کی تعلیم دینا ہے۔ سورہ جمعہ میں ارشاد ہے: اس نے مکہ والوں میں سے ہی رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

پس نبی لوگوں کے سامنے آیات کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دل نرم ہو جائیں اور ہدایت قبول کریں۔ تزکیہ نفس کی اہمیت کا اندازہ سورہ شمس سے لگایا جاسکتا ہے جس میں گیارہ قسمیں کھانے کے بعد یہ پیغام دیا گیا ہے کہ تزکیہ نفس کرنے والا کامیاب ہے۔

۳۔ عدل وانصاف کا قیام:

زمانہ جاہلیت میں لوگ عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے تھے، طاقتور کمزور پر ظلم کرتے تھے، معاشرہ افراط وتفریط کا شکار تھا۔ اس وقت اللہ تعالی نے اپنے رسول کو بھیجا تاکہ کمزوروں کو ان کا حق دیا جائے۔ جیساکہ ارشاد ہے: بے شک ہم نے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔ (الحدید۔ ۵۲)

عدل وانصاف کا قیام ہر زمانے میں ضروری ہے؛ کیونکہ جہاں انصاف نہ ہوگا وہاں نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ عدل وانصاف کے قیام کی خاطر بہت سے عظیم لوگوں نے قربانیاں پیش کی ہیں اور یہ ذمہ داری ہر زمانے کے علما پر عائد ہوتی ہے جو وارث انبیاء ہیں۔

۴۔ وحدت واتحاد کا قیام:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ منتشر اور پراکندہ انسانیت کو اخوت اور بھائی چارگی کی شکل میں متحد کریں۔ اس لئے انہوں نے دین، شریعت اور وحی کی مدد سے قوموں میں وحدت ایجاد کرنے کی کوشش کی۔ یہ الٰہی وحدت ہے جس کا مرکز ومحور ایک مکتب اور ایک نظریہ

ہے اور اس کا سرچشمہ وحی کی تعلیمات ہیں۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سارے انسان ایک قوم تھے پھر اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں۔ (البقرہ۔ ۲۱۳)

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ وحدت وہ نعمت ہے جس کی قدر و قیمت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے اس لئے کہ یہ ہر قیمت سے بڑی اور ہر شرف و کمالات سے بالاتر ہے۔

امام خمینی نے بھی اتحاد کو مد نظر رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام کی ولادت کے ایام کو ہفتہ وحدت قرار دیا؛ اس لئے کہ وحدت اسلامی، مکتب اسلام کی بنیاد اور اساسی ارکان میں سے ہے۔ جیساکہ قرآن سب کو مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا درس دیتا ہے۔

تمام انسان مختلف رشتوں اور ناطوں کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور یہ سب سماجی، اجتماعی اور اخلاقی رابطے اور آپس کے نسبی اور سببی رشتے ہیں جو ہمارے اپنے بنائے ہوئے رشتے ہیں اور اسلام کی نظر میں یہ اصلی معیارات نہیں ہیں۔ قومی اور خونی رشتے کو مذہبی رشتے پر مقدم کرنا دور جاہلیت کا طرز عمل ہے۔

آج بھی دشمنان اسلام زمانہ جاہلیت کی اس فکر کو مومنین میں زندہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ قومیت کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے اور قومیت کو اجتماع کے لئے مرکزی حیثیت دیتے تھے جبکہ اسلام نے مومنین کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا اور آپس کے اس رشتے کو مضبوط کرنے والا عنصر اسلام ہے۔

اس بنا پر نسلی و قومی رشتوں پر دینی والٰہی رشتے مقدم ہیں۔آج اتحاد کی اشد ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر اپنے مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا عصر حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دشمن کی اس سازش کو ناکام بنانے میں خواص ہی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپس میں وحدت و اتحاد کے ساتھ رہنے کی توفیق عنایت فرمائے اور یک جان ہو کر حقیقی دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

سیرت رسول ﷺ اور اخوت وبرادری

شعبہ تحقیق مجمع طلاب شگر

قرآن کی نگاہ میں تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں:« انما المومنون اخوة» کے ذریعے نسل، نسب اور قومیت کے بجائے ایمانی اور اسلامی رشتہ کو معیار بنا کر سب کو بھائی قرار دیا گیا ہے۔

کسی بھی معاشرہ کا استحکام آپس میں محبت اور الفت کے بغیر ممکن نہیں اور یہ محبت اخوت کے تصور سے ہی امکان پذیر ہو سکتا ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے سے پہلے دو اہم کام انجام دیئے۔

۱۔ مسجد نبوی کی تعمیر یعنی سب کے لئے ایک مرکز

۲۔ پیمان اخوت اور بھائی چارگی

یہ دونوں اقدام ایک اسلامی معاشرہ کی روح ہیں۔

اسلام کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہے اور وہ مرکز اللہ کا گھر یعنی مسجد ہے۔ جہاں مسلمان عبادت، تعلیم، تربیت اور تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔اور خدا کے گھر کے محور میں تمام مسلمان اپنے عملی اخوت واتحاد کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔دن رات میں پانچ نمازین

جماعت، ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز اور سال میں حج جیسے عبادی اعمال سے تمام مسلمانوں کی بھائی چارگی اور اتحاد کا اظہار ہوتا ہے۔

ساتھ ہی مسلمانوں میں دینی روح اخوت کا تصور ہر قسم کی محدود قومی، لسانی اور خاندانی سے بالاتر ہو کر عقیدتی اور فکری سطح پر ایک عالمی بھائی چارگی پر مشتمل ایک معاشرہ قیام عمل میں لاتا ہے۔ جہاں سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔

پیغمبر اکرم (ص) کی نظر میں اسلامی معاشرہ کے قیام کا اصل مقصد عدل وانصاف ہے جو کہ اخوت کے تصور کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ برادری کے تصور سے ہی مسلمانوں کے دل نزدیک اور ایک دوسرے سے تعاون کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اور ایثار وقربانی کا جذبہ انسان میں پیدا ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم نے آغاز اسلام سے ہی تبلیغ دین کے لئے بھائی چارگی کے قیام پر توجہ دی۔ اور ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کو بیان کرکے عرب قومیت کے مقابلے میں اخوت کا ایک جدید تصور پیش کیا۔ اور خدمت، دوسروں کے خیال، عزت، احترام، دکھ سکھ میں شریک ہونا اور ضروریات واحتیاجات کے پورا کرنے کی جانب توجہ دلا کر ایک الٰہی واسلامی کامیاب معاشرہ کی بنیاد رکھی۔۔۔

ہم بھی سیرت پیغمبر پر عمل پیرا ہو کر روح اخوت کو معاشرہ میں زندہ کرکے نفرت واختلافاف کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

رسول اعظمؐ بہترین آئیڈیل

محمد علی کریمی

''لَقَدْ کانَ لَکُمْ فی رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ کانَ یَرْجُوا اللهَ وَ الْیَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَکَرَ اللهَ کَثیراً''[۱]

بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول کی (زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

ظہور اسلام سے پہلے ساری دنیا کے لوگ عقائد وافکار اور اجتماعی اور فردی زندگی کے اعتبار سے بہت ہی پست زندگی بسر کر رہے تھے سب کی حالت اگرچہ ایک طرح کی نہیں تھی مگر فکری انحراف، غلط رسم ورواج، اجتماعی پریشانیاں اوراخلاقی پستی میں سب ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے . اسلام سے پہلے یہودیوں نے دین موسی میں مکمل تحریف کردی تھی اور ہر شخص میں مادیت پرستی سرایت کر چکی تھی . عیسائی علماء نے دین مسیح کی ہئیت کو مکمل بدل دیا تھا اور مسیحیت کو اپنے لئے ایک دکان بنا دیا تہا، لوگ خیالی باتوں اور جاہلانہ رسوم اور خود ساختہ سماجی بندوشوں میں مبتلا تھے اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا جارہاتہا. اس گھناونی معاشرے میں

۱۔ ۳۳/۲۱۔

خالق کائنات نے خود انہی لوگوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا تاکہ لوگوں کو اس ظلم و بربریت اور جہالت و تاریکی سے نجات دے سکے.

اور رسول کریم کو عالمین کیلیے رحمت اور نمونہ بنا کر بھیجا، چونکہ کوئی بھی شخص کسی بھی معاشرے میں بغیر کسی آئیڈیل اور نمونہ کے زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے حتی وہ افراد جو الگو اور اسوہ کو قبول نہیں کرتے ہیں وہ بھی ناخواستہ کسی نہ کسی فرد کی پیروی کرتے ہیں۔ اگرچہ اسکی طرف وہ متوجہ نہ بھی ہوں

مثلا گھر میں والدین بچوں کے لئے نمونہ اور سکول وکالج میں ٹیچر اور ہیڈ ماسٹر، سیاسی لائن میں وزیر اعظم اور صدر اور اسی طرح دینی مسائل کے لئے فقہاء، مجتہدین اور رہبران دینی نمونہ ہوا کرتے ہیں.

قرآن مجید میں بھی اس مسئلے کو ایک عمومی اور ضروری سمجھتے ہوئے تین مرتبہ اسی لفظ اسوہ کو تکرار فرمایا ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

رسول اعظم کی زندگی ایک منبع اور ماخذ ہے جو انسان اپنے تمام اعمال کا نمونہ اور صحیح وغلط کا معیار و میزان قرار دے سکتا ہے۔ آپ نہ فقط ایک خاص زمان اور خاص مکان کیلیے اسوہ اور نمونہ ہیں بلکہ آپ کی شخصیت زمان و مکان سے بالاتر ہے اور قیامت تک رحمت اللعالمین اور خاتم المرسلین ہیں۔ اور لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں.

جس کو بھی خدا کا قرب اور محبت کی تمنا ہو اسے چاہئے رسول کی پیروی کرے۔

''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ''[1]۔

---

[1] العمرآن ۳۱۔

جس نے بھی رسول کے قدم پر قدم رکھا خدا کے ہاں محبوب ترین اور عزیز ترین شخصیت بن جائیگا ہر انسان کی تمنا اور خواہش ہوا کرتی ہے کہ وہ کمال اور سعادت تک پہنچ جائے بڑا مقام حاصل کرے اور آخرت میں کامیاب ہو جائے تو حکم خداوندی ہوا کہ رسول کی سیرت کو اپناو اور رسول کو آئیڈیل بناو یعنی خدا کی رضایت وخوشنودی اور آخرت میں کامیابی انسان کا ہم و غم ہوتا ہے انہی دو مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے انسان اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوتا ہے اور جس نے بھی ان دو اہداف کو حاصل کیا وہ خوش قسمت اور کامیاب رہا۔

فقد فاز فوزا عظیما.

انہی دو مقاصد کے حصول کے لئے رسول کی سیرت کو اپنانا ضروری ہے والا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن سکتا ہے.

جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو انسان اپنے مولا اور آئیڈیل کے بغیر عبادت انجام دیگا خدا اس کی عبادت کو قبول نہیں کرتا ہے.

كُلُّ مَن دانَ اللّهَ عزّو جلّ بِعبادَةٍ يُجْهِدُ فيها نَفْسَهُ و لا إمامَ لَهُ مِنَ اللّهِ ، فَسَعْيُهُ غَيْرُ مَقْبُولٍ وَهُوَضالٌّ مُتَحَيِّرٌو اللّهُ شانِئٌ لأعمالِهِ ، و مَثَلُهُ كَمَثَلِ شاةٍ ضَلَّتْ عَن راعِيها و قَطِيعها[1].

اس کی کوئی عبادت قابل قبول نہیں وہ گمراہ، سرگردان اور حیران وپریشان پھرتا رہیگا خدا اسے دوست نہیں رکھے گا۔

اس کی مثال ان بھیڑ، بکریوں کی طرح ہے جو جنگل میں اپنے چرواہے کو کھو چکی ہوں۔

یقینا ان کا انجام بھیڑیے کے منہ میں جانا ہے۔

جیسا کہ زیارت ناحیہ میں آیا ہے:

فَالرّاغِبُ عَنْكُمْ مارِقٌ وَ اللاّزِمُ لَكُم لاحِقٌ ، وَ الْمُقَصِّرُ فی حَقِّكُمْ زاهِقٌ.

۱۔ الکافی ج ۱ ص ۱۸۴

جو بھی آپ لوگوں کو ترک کرے گا وہ دین سے خارج ہوگا. لہٰذا اسوہ کا ہونا ضروری ہے اور اسکی شناخت بھی ضروری ہے۔ جو کوئی اسوہ کو ترک کرے گا ہلاک ہو جائے گا اگرچہ وہ خاندان نبوت سے ہی کیوں نہ ہو.

حضرت نوح کا بیٹا غلط نمونہ اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا، سلمان ومقداد اور ابوذر نے اچھے آئیڈیل اپنانے کی وجہ سے اہل بیت رسول علیھم السلام میں شمار ہوگئے.

اسکے علاوہ قرآن میں متعدد مثالیں مومن اور کافروں کے لئے آئیڈیل کے طور پر معرفی کی ہیں. جیسا کہ مومنین کے لئے مثال بیان کی ہے:

وَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلاً لِلَّذینَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قالَتْ رَبِّ ابْنِ لی عِنْدَكَ بَیْتاً فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنی مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ وَ نَجِّنی مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمینَ[۱]

اور اللہ نے مومنین کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے جب اس نے دعا کی: پروردگارا! جنت میں میرے لئے اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی حرکت سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما.

اور کفار کی مثال بیان کی ہے کہ:

"ضَرَبَ اللهُ مَثَلاً لِلَّذینَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَ امْرَأَتَ لُوطٍ كانَتا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبادِنا صالِحَیْنِ فَخانَتاهُما فَلَمْ یُغْنِیا عَنْهُما مِنَ اللهِ شَیْئاً وَ قیلَ ادْخُلاَ النَّارَ مَعَ الدَّاخِلینَ" .[۲]

اللہ نے کفار کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثالیں پیش کی ہیں، یہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے

۱۔ تحریم ۱۱۔
۲۔ تحریم ۱۰۔

مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انہیں حکم دیا گیا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ.------

پیغمبر اکرمؐ کی نظر میں عورت کا مقام

شگفتہ زہرا عابد شگری
کارشناسی ارشد بنت الہدیٰ قم

ہر قوم وملت کی تاریخ میں عورت کی غم انگیز تاریخ اور اس کی شخصیت اکثر بے حرمتی کا شکار رہی ہے. عورت کو پست و حقیر موجود سمجھنا، دوسرے درجہ کی انسان، بدبینی اور تہمت، زندگی کے مختلف شعبوں میں حصہ لینے کی ممنوعیت حتی اجتماعی کمترین حقوق سے محرومیت اس کی مظلومیت کو واضح کرتی ہے۔ جس طرح دیگر اقوام نے عورت کو کانٹے کی طرح زندگی کی راہ گزر سے مٹانے کی کوشش کی، اس کے برعکس اسلامی معاشرے نے بعض حالتوں میں اسے مردوں سے زیادہ فوقیت، عزت و احترام عطا کیا اور وہ ہستی جو عالمین کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہوں نے عورتوں پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد و زن دونوں کی سوچ اور ذہنیت کو بدلا انسان کے دل و دماغ میں عورت کے اسلامی مقام و وقار کو متعین کیا اور اس کی سماجی، تمدنی اور معاشی حقوق کا فرض ادا کیا اور وضاحت کی کہ قوانین اسلام فطری اساسی قوانین پر مبنی ہے عورتیں مردوں کی مانند ایک انسان کامل ہیں جو کمالات اور کرامات کے حامل ہے۔ عورت صلاحیت رکھتی ہے کہ زمین

میں الہی خلیفہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرسکے۔ سورہ التین کی آیت نمبر ۴ اسی موضوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔ احسن تقویم میں جتنا حق مردوں کا ہے اتنا ہی عورتیں بھی برابر کی حقدار ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا عورت نہ ہی کوئی ایسا وسیلہ ہے کہ جسے جس طرح چاہے استعمال کیا جائے اور نہ ہی ایسی موجود کے جس کی کوئی حیثیت نہ ہو بلکہ وہ قوم وملت کو سکون دینے والی، آباد اور تربیت کرنے والی ہے۔ اگر چاہے تو خود کو ولیۃ اللہ کے مقام پر پہنچا دے جہاں خدا کی طرف سے اس پر وحی نازل ہو انّ اللہ اصطفاك یا اپنی معنوی کمالات کو اس قدر بڑھا دے کہ خدا اس کی حمد و ثنا کرے **امہ صدیقہ** آپؐ نے خواتین کو ان کے فردی اور اجتماعی حقوق سے نوازا اور بتایا عورت خواہ ماں ہو یا بہن، بیوی ہو یا بیٹی اسلام ان میں سے ہر ایک کے حقوق و فرائض کو تفصیل اور وضاحت کے بیان کرتا ہے اسی وجہ سے اسلام کے ابتدائی سال خواتین کی اجتماعی، علمی، اقتصادی، تمدنی، حتی جہادی خدمات کی وجہ سے عصر طلایی میں بدل گئے۔

آپؐ نے دوران جاہلیت کے رائج عقائد (عورت گناہ کا مرکز ہے اگر عورت گناہ کی مرتکب ہو تو اس کی سزا اسی عورت پر ہے اور اگر وہ عمل احسن انجام دے تو اس کا ثواب ان کے مردوں کو ملے گا کیونکہ عورت کا وجود پست ہے بس وہ ثواب الہی کی حق دار نہیں) کی مذمت کی اور خواتین کی حقوق کی حمایت کو اپنے گفتار و کردار سے ثابت کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمَرْأَةُ لُعْبَةٌ مَنِ اتَّخَذَهَا فَلَا يُضَيِّعْهَا''[۱]۔

۱۔ الکافی ج ۵ ص ۵۔

اگر کوئی عورت کا انتخاب کرے تو اس کی حفاظت کرے اور اسے نقصان نہ پہنچائے۔

ایک اور مقام پر آپؐ نے فرمایا:

حُبّبَ إلیّ من دُنیاکمُ النِسّاءُ والطِّیبُ وجُعِلَت قُرّۃُ عَینی فی الصَّلاۃِ ''[1]۔

مجھے دنیا کی چیزوں میں سے عورت اور خوشبو عزیز ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

آپؐ نے مزید فرمایا:

کُلّما ازدادَ العَبدُ إیمانا ازدادَ حُبّا للنِسّاءِ'' ۔[2]

جس قدر بندہ کا ایمان زیادہ ہوگا اتنا ہی عورت سے محبت زیادہ ہوگی۔

عورت کی بحثیت انسان معرّفی، حق تعلیم و تعلّم، معاشرتی میدان میں دخالت، تمدنی حقوق، اجتماعی حقوق، علمی حقوق، حسن معاشرت اور آزادی رائے کا حق یہ سب کے دین مبین ناب اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے وجود اقدس کے طفیل ہے۔

البتہ اس عصر جدید و پر آشوب میں ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں عورت کی کرامت نہ صرف اس کا حق ہے بلکہ ایک دینی تکلیف کی حیثیت سے واجب ہے تو اس صورت میں نہ صرف مرد بلکہ عورتیں خود بھی اپنی کرامات اور کمالات کو آسیب نہ پہنچائیں اپنے مقام و مرتبہ کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے اجتماعی امور میں حصہ لیں اور معاشرے میں فساد کا سبب نہ بنے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ محدود آزادی جو دین اسلام نے عورت کو دی تھی وہی اسلام پر آنچ آنے کا سبب بن جائے اور خاتم المرسلین و رحمت العالمین ان سے ناراضی رہیں۔

۱۔ نسائی ص۹۵ ۲۔

۲۔ مستدرک الوسائل ح ۱۴۰ ص ۱۵

بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موجودہ صورتحال

شعبہ تحقیق

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک ایسے زمانے میں توحید، ہدایت، حق وعدالت کا پرچم بلند کیا۔جب دنیا میں شرک وبت پرستی، گمراہی، باطل اور ناانصافی کا دور دورہ تھا۔عرب کے اس تاریک ماحول میں انسانیت نامی کوئی چیز نہ تھی۔ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔۔
ایسے میں ایک بار پھر خدائی رحمت کا نزول ہوا۔غار حرا سے "اقرا باسم ربک الذی خلق" کے ذریعے تعلیم وتربیت اور توحید کے پیغام کے ساتھ منجی بشریت، محسن انسانیت اور رحمت دوعالم نے انسان سازی ومعاشرہ سازی کا آغاز کیا۔ تیئس سال سے کم وقت میں دنیا کو نور ہدایت سے روشناس کرایا۔اور آپس میں بھائی چارگی، محبت والفت،ایک دوسرے کے احترام، عزت وغیرت، حیاوعفت کو معاشرتی اقدار میں تبدیل کیا۔۔
پیغمبر اکرم کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ انسان کی صحت وسلامت سے متعلق ہے۔آج ایک ایسے خطرناک وبا نے پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے جو نسل، زبان،مذہب اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ایسے میں جہاں ایک اہم طبقہ ان مشکلات سے نبرد آزما ہو کر جانفشانی کے ساتھ اس مہلک مرض سے انسانیت کو بچانے کے لئے تگ ودو میں ہے۔تو دوسری طرف اس اہم موقع پر بعض جدید دور جاہلیت کے علم بردار مختلف ناموں سے مسلکی اختلافات،ایک دوسرے کو

ذمہ دار قرار دینے،اس خطرناک موقع پر سستی شہرت،اپنی اغراض کے حصول اور دنیاوی مفادات اور مکروہ سیاست کو چمکانے کے درپے ہیں۔جن کو نہ ملک و قوم سے کوئی ہمدردی ہے اوران میں انسانیت نامی کوئی چیز نظر نہیں آتی ہے۔رہبر انقلاب آیت اللہ خامنہ ی،آیت اللہ سیستانی سمیت دیگر مراجع وعلما نے بھی واضح وراہگشاہ ہدایات جاری کی ہیں۔جہاں صحت کے اصولوں کی رعایت کے ساتھ عملی میدان میں رہ کر اس بیماری سے مقابلہ کو جہاد اور اس راہ میں اپنی جان سے ہاتھ دونے والوں کو شہید کے برابر قرار دیا ہے جو اس کام کی عظمت کی دلیل ہے۔

پیغمبر اکرم کی بعثت کا پیغام ان کے حقیقی پیروکاروں کے لئے یہی ہے۔ہر ایک اپنی جگہ درد انسانیت لے کر قلبی،زبانی اور عملی طور پر اس مشکل وقت میں اپنا مثبت اور تعمیری کردار ادا کریں۔اللہ کی بارگاہ میں دعا اور توسلات کے ساتھ ماہرین کی جانب سے دی گئی ہدایات پر عمل اور احتیاطی تدابیر ہر عمل پیرا ہونا ہم سب کی شرعی و عقلی ذمہ داری ہے۔۔

پیغمبر رحمت عالمین

صدیقہ بتول۔ مشہد

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

رسول اللہ کی زندگی کے جس گوشے پر بھی ہم نظر دوڑائیں،آپ ایک کامل انسان نظر آتے ہیں،آپ کی خاندانی زندگی میں بہترین باپ، بہترین شوہر، میدان جہاد میں بہترین مجاہد فی سبیل اللہ وشجاع وبہادر فرد، دشمن کے مقابل سیسہ پلائی دیوار اور دوستوں اور مسلمانوں کے لئے رحم دل اور کریم دوست ودلسوز رہنما وہادی۔آپ نہ صرف بروں کے ساتھ بلکہ بچون کے ساتھ آپ کا حسن سلوک بھی ایک بہترین مربی ومعلم کا نمونہ پیش کرتا ہے۔آپ کی زندگی کا یہ گوشہ بھی ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔

آپ بچوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے تھے۔آپ سے زیادہ بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا ولا کوئی نہ تھا۔آپ نے بچوں کے ساتھ نرمی، محبت وملائمت کا نہ صرف تعلیم دی بلکہ آپ نے اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت پیش کیا۔آپ کا فرمان ہے کہ: جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔(سنن ابی داود: باب فی الرحمہ)

اسی طرح آپ نے ایک اور جگہ فرمایا: جو نرمی سے محروم ہے وہ تمام خیر سے محروم ہے۔

اگر ہم غور کریں تو تو بچپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا ہے اس دور میں بچے بروں کے رحم کرم کا محتاج ہوتے ہیں، بچے انہیں اپنا محسن سمجھتے ہیں، تربیت کا بہترین موقع ہے جس میں ان سے انسیت والفت کے ذریعے ان می تربیت کر سکتے ہیں نہ کہ مار پیٹ و ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے۔

اس سلسلے میں حضور اکرم کا عمل ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے کہ آپ بچوں کو اپنے قریب رکھتے حتی بچوں کے کھیل کا لحاظ کرتے تھے کہ حالت نماز آپ کی پشت پر بیٹھ جاتے تو آپ ان کا خیلا رکھتے اور سجدہ کو طولانی کرتے۔ چنانچہ آپ اپنے نواسوں سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔

غور کریں جب آپ نے اپنے عمل کے ذریعے دکھا دی اور امت کو تعلیم دی اور رحیمانہ سلوک کے ترک کرنے پر فرمایا کہ بے رحم قابل رحم نہیں، لہذا یہ بچوں کے ساتھ رحم سے پیش آنے لازم ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

آپ کی نجی زندگی ک ایک پہلو یہ بھی ہے آپ نہ صرف اپنے محبین واصحاب کے ساتھ لطف، محبت والفت سے پیش آتے تھے اور نرمی کا برتاو کرتے بلکہ بلکہ غیروں کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آتے تھے، آپ کے مزاج میں سختی نام کی کوئی چیز نہیں تھی یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ بھی محبت وشفقت کا اظہار کرتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ: ایک موقع پر اصحاب نے عرض کیا کہ آپ کافروں کے لئے بددعا کریں۔ تو آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت و ہادی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

سیرت رسول میں اس طرح کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

اسلام آپ کے اخلاق، عفو ودر گزر اور رحمت سے پھیلا ہے، تلوار کے زور سے نہیں۔ آپ کی نرمی مزاجی کو قرآن نے کو رحمت خدا قرار دیتے ہوئے یوں آپ کی توصیف کی ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم ۔[1]

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم دل ہو۔

فتح مکہ کو کون نہیں جانتا کہ اس دن رسول اکرم نے عفو و در گزر کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ جب بعض صحاب نے کہا کہ: آج بدلہ لینے کا دن ہے تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ: آج معاف کرنے کا دن ہے۔ اور آپ نے معافی عام کا اعلان کیا۔ ااس معافی کا اثر یہ ہوا کہ کثیر تعداد میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ سب آپ کے کریمانہ ااخلاق کا اثر تھا۔ اسی اخلاق پیغمبر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حضرت علی فرماتے ہیں:

جو کوئی بھی پیشگی آشنائی کے بغیر آپ کو دیکھتا، وہ ہیبت زدہ ہو جاتا تھا اور جو آپ کے ساتھ معاشرت کرتا اور آپ کو پہچان لیتا وہ آپ کا حب دار بن جاتا تھا۔

رہبر انقلاب آپ کے اخلاق کے بارے میں فرماتے ہیں:

پیغمبر ،اسلامی اخلاق اور اقدار کو معاشرے میں نافذ اور لوگوں کی روح، عقائد اور زندگی میں رائج کرنے کے لئے زندگی کی فضا کو اسلامی اقدار سے مملو کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے اور لوگوں کو ہمیشہ صبر، حلیم، غصہ پر قابو پانے، خیانت نہ کرنے، چوری نہ کرنے، بدکلامی نہ کرنے، کسی کا برا نہ چاہنے، عفو در گزر، چشم پوشی اور دل میں کینہ نہ رکھنے وغیرہ کی نصیحت و تلقین کرتے۔ لوگوں کو ہمیشہ ان چیزوں کی ضرورت رہتی ہے اگر معاشرے میں یہ اقدار نہ ہوں تو ترقی اوج پر ہونے کے باوجود معاشرہ برا اور نا قابل قبول ہوگا۔

۱۔ ال عمران ۱۵۹۔

سیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وحدت و اتحاد

سیدہ کونین فاطمہ نقوی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حکمت عملی سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مثالی اسوہ حسنہ فراہم کیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں سے ایک اہم ترین نمونہ مدینے میں اسلامی حکومت کا قیام تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے آنے کے بعد وہاں کے سیاسی اور سماجی حالات جائزہ لیا، اوس و خزرج قبائل کے درمیان جو نفرتیں تھیں ان کو محبت، الفت اور وحدت میں تبدیل کر دیا، مدینے کے مسلمانوں اور مہاجروں میں مواخات اور مدینے میں رہنے والے لوگوں کے درمیان محبت پیدا کی، انصار و مہاجرین کو ایک ہی جماعت بنایا۔(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاشرے میں وحدت کو وسیع کرنے کے لئے مختلف منصوبے پیش کر کے انہیں مقصد تک پہنچایا۔ عربوں میں جو کہ زیادہ عرصے سے نفرتیں، کینے، دشمنیاں چل رہی تھیں انہیں کچھ عرصے میں ختم کر کے مواخات قائم کیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''خدا کی راہ میں ایک دوسرے کے بھائی بنو۔(۲)

اور وہ اقوام جو دوسرے اقوام کے ساتھ ذلیل و غلامی کی قید میں گرفتار تھیں انہیں اسلام کے سائے میں عزت بخشی۔

ہم یہاں پر پیغمبر اکرم ﷺ کے ان اقدامات کا جو مسلمانوں میں تفرقہ کو روکنے کے لئے انجام دیئے دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

۱۔ تفرقہ پیدا کرنے والی مسجد کی تباہی۔

۲۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے فرامین میں وحدت کی اہمیت۔

پیغمبر اکرم ﷺ تفرقہ سے بہت ہی بیزار تھے اس کا ہم مسجد ضرار کے واقعے میں مشاہدہ کریں گے۔

عرب کے جہالت کے دور میں ابو عامر نام کا ایک راہب شخص تھا جس کا شمار مدینے کے زاہد اشخاص میں ہوتا تھا۔ جنگ بدر میں پیغمبر اکرم ﷺ کی کامیابی اور مدینے کی طرف پیغمبر ﷺ کی ہجرت کے بعد، جب یہ خود کو اکیلا سمجھتا تھا تو مشرکین کی طرف جاتا تھا، انہیں پیغمبر اکرم ﷺ سے لڑنے کے لئے آمادہ کرتا تھا اور اس نے جنگ احد میں مشرکین کو گڑھا کھودنے کا مشورہ دیا تھا اور ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اتفاق سے پیغمبر اکرم ﷺ اس گڑھے میں گر گئے اور زخمی ہو گئے اور دانت بھی شہید ہو گئے لیکن ابو عامر مطمئن نہیں ہوا اور روم کی طرف چلا گیا تا کہ روم والوں کو پیغمبر اکرم ﷺ سے جنگ کے لئے آمادہ کرے۔ اس کی اس حرکت سے پہلے اس نے مدینہ میں اپنے دوستوں کو خط لکھا جس میں اس بات پر زیادہ تاکید کی تھی کہ وہ اپنے خطرناک اور تفرقہ کرنے والے نظریات کا مدینہ میں پھیلانے کے لئے ایک اڈہ تعمیر کریں انکے دوستوں نے اس کام کو پوشیدہ انجام دینے کے لئے مسجد کو مناسب سمجھا اس لئے انہوں نے یہ بہانہ کیا کہ مدینہ کے اطراف کے لوگوں کے لئے خاص طور پر بزرگ و معذور افراد جس کا مرکزی مسجد میں جانا مشکل تھا ان کے لئے تعمیر کی جائے۔

انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے مسجد قبا کے قریب مسجد کی تعمیر کی اجازت لی، جب انہوں نے مسجد کو تعمیر کیا تو پیغمبر اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ اس مسجد میں نماز ادا کرکے اس کو نورانی و بابرکت بنائیں۔ اس سے پہلے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اس مسجد میں نماز ادا کریں،

پیغمبرﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ خدا نے رسول اللہﷺ کو ان کی حقیقت سے آشنا کیا۔ اس طرح پیغمبر اکرمﷺ نے اس مسجد کی تباہی کا حکم دیا، پیغمبرﷺ کے حکم کے مطابق پہلے مسلمانوں نے اس مسجد کو آگ لگائی پھر ختم کیا۔ (۳)

اور قرآن کریم میں اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ:

''وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰﷺ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا.'' (۴)

ترجمہ: یہ ہی سب تھا جو مسجد مسلمانوں میں تفرقہ کے ایجاد کے لئے تعمیر کی گئی پیغمبر اکرمﷺ نے اس مسجد کو تباہ کیا تاکہ مسلمان ہر قسم کے تفرقہ سے بچ سکیں۔

پیغمبر اکرمﷺ وحدت کو قائم کرنے پر بہت زیادہ تاکید کرتے تھے اور وحدت کی اہمیت کے متعلق فرماتے تھے کہ:

''جو شخص جماعت کے ساتھ ہم آہنگی سے خدا کے لئے کام کرتا ہے اگر اس کا کام صحیح ہوگا خدا قبول کرے گا اور اگر صحیح نہ ہوگا تو خدا بخش کرے گا پر جو شخص وہ عمل انجام دے جس کے سبب تفرقہ پیدا ہوا اگر یہ کام صحیح بھی ہوگا خدا قبول نہیں کرے گا اور غلط کام ہوگا تو اس شخص کو اپنے لئے مقام آگ میں تلاش کرنا چاہیے۔ (۵)

ایک اور مقام پر پیغمبر اکرمﷺ فرماتے ہیں کہ

''لا تختلفوا فان من کان قبلکم امتلفوق فھلکوا.'' (٦)

پیغمبر اکرمﷺ کی سیرت و فرامین میں معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کی مضبوطی کے لئے مستحکم ریاست و وحدت اسلامی کے لئے بھی مستحکم ریاست اور نظام تمام ضروری ہے تاکہ مختلف مذاہب کے لوگ ایک مضبوط حکومت و قانون کے تحت وحد قائم کرکے زندگی گذاریں۔

حوالہ جات:

. 1۔احمد رضا، بین المسلك ہم آہنگی کے رہنما اصول (قرآن و سنت کی روشنی میں) ابحاث، ج ۳، شمارہ ۹، جنوری – مارچ، ۲۰۱۸ء، ص ۱۵، شعبہ ء علوم اسلامیہ لاہور

2۔ڈاکٹر سید علاء الدین شاہرقی، راہبرد پیامبر اعظمؐ، ص ۲۷، در فرہنگ سازی وحدت اسلامی، پژوہشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرہنگی پر تال جامع علوم انسانی۔

3۔ لطیفی پاکدہ، لطفعلی، انسجام اسلامی، (زمینہ ھای، مبانی، موانع و راہکای اتحاد اسلامی)، چھاپ اول ۱۳۸۸، ص ۵۰-۵۱، مرکز پژوہشای اسلامی صدا و سیما۔

4۔سورۃ توبہ ۹/۱۰۷-۱۰۸۔

5۔ لطیفی پاکدہ، لطفعلی، انسجام اسلامی، (زمینہ ھای، مبانی، موانع و راہکای اتحاد اسلامی)، چھاپ اول ۱۳۸۸، ص ۵۲، مرکز پژوہشای اسلامی صدا و سیما۔

6۔نرم افزار مکتبۃ شاملہ، نسخہ ۲، شامل دہ ہزار کتب اہل سنت ج ۸، ص ۲۵۶، ۱۴۲۷ھ، ق (عربی)

رسول اکرمؐ کی امتیازی خصوصیات

احسان دانش

Ahsand22@gmail.com

حکما اور فلاسفر فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں بعض چیزوں کو بعض دوسری چیزوں پر برتری و فوقیت حاصل ہے جیسے جمادات پر نباتات کو اور نباتات پر حیوانات کو اور حیوانات پر انسانون کو برتری و افضیلت حاصل ہے اسی طرح انسانوں کے بھی درجات و مراتب مختلف ہیں ان کے ایمان اور اعمال کے اعتبار سے درجات و مراتب میں فرق ہوتا ہے۔

خداوند عالمین نی انسانون کی ہدایت کیلی انبیاء اور رسولوں کو بھیجا ہے۔اور ان انبیاء کے بھی مراتب و درجات مختلف ہیں جیسے قرآن مجید مین ارشاد ہوتا ہے کہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنا بَعْضَهُمْ عَلى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجات.

ترجمہ: ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے خدا ہمکلام ہوا اور اس نے ان میں سے بعض کے درجات بلند کیے۔

پس یہ آیت واضح بیان کررہی ہے کہ انبیاء کی درجات مختلف ہیں اور بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی مکرمؐ تمام انبیاء سے افضل و

اشرف ہیں- وہ امتیازی خصوصیات جن کی وجہ سے سرکار دو عالم سابقہ تمام انبیائے پر فوقیت و افضیلت رکھتے ہیں، درج ذیل ہیں.

۱- حضرت مسیحؑ کی بشارت:

خداوند متعال نے حضرت مسیحؑ کی زبانی رسول اکرمؐ کی رسالت کی بشارت دی ہے کہ:...و مُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَد... اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہے-

ایک الوالعزم پیامبر کا نبی اکرمؐ کے آنے کی بشارت دینا، یہ خصوصیت پیامبر اکرم (ص) کے علاوہ کسی اور کیلیے حاصل نہیں ہے- حضرت مسیحؑ کا بشارت دینا اس بات کی دلیل ہے — کہ پیامبر اکرمؐ اشرف و افضل ہیں کیونکہ خود مسیحؑ سے رتبہ کمتر یا برابر ہوتا تو بشارت کہنا درست نہیں ہوتا.

۲ — خلق عظیم کا مالک ہونا:

قرآن مجید، روایات اور تاریخ میں آدم (ع) سے لے کر خاتم تک سوائے پیامبر اکرمؐ کے، کسی نبی کیلیے خلق عظیم کا مالک ہونا نصیب نہیں ہوا ہے- لیکن پیامبر اکرمؐ کے بارے میں خداوند متعال نے قرآن مجید کی سورہ ی قلم میں ارشاد فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظیم. یعنی، بیشک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں. اس مختصر جملے میں اللہ تعالی نے تین قسم کی تاکید استعمال کی ہے- یعنی حرف (إِنَّ) کے ذریعے، لام تاکید کے ذریعے اور جملہ ی اسمیہ بھی تاکید پر دلالت کرتا ہے- پس ان تمام تاکیدات کے بعد پیامبر اکرمؐ کی اس عظیم صفت یعنی اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کا اعلان ہو رہا ہے- یہ صفت اور خصوصیت بھی پیامبر اکرمؐ کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے- کہ کوئی نبی پیامبر اکرمؐ کے اس مرتبے کا مقابلہ نہیں کر سکتا.

۳۔ رسالت جہانی:

خداوند متعال نے جتنے انبیاء لوگوں کی ہدایت کیلیے بھیجے ہیں ان میں سے پیامبر اکرمؐ کے علاوہ کسی نبی کی رسالت عالمی اور جہانی نہیں تھی۔ان انبیاء میں سے بعض صرف اپنے خاندان، قبیلے اور شہر تک کیلیے ہادی و نبی تھے لیکن پیامبر اکرمؐ کی رسالت کی وسعت عالمی و جہانی اور قیامت تک کیلیے ہے۔ جیسے خداوند متعال نے قرآن مجید کی سورہ ی سباء آیت نمبر ۲۸، پہ ارشاد فرمایا:

وَ ما أَرْسَلْناكَ إِلاَّ كافَّةً لِلنَّاسِ بَشيراً وَ نَذيرا...

یعنی: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کیلیے فقط بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اسی طرح سورہ ی انبیاء کی آیت نمبر ۱۰۷، پہ ارشاد رب العزت ہو رہا ہے کہ: وَ ما أَرْسَلْناكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِلْعالَمينَ، یعنی: اور ہم نے آپ کو بس عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس ان دونوں آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ: پیامبر اکرمؐ کی رسالت عالمی اور جہانی ہے اور کسی نبی کو پیامبر اکرمؐ یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔

۴ — رووف ورحیم:

خداوند متعال قرآن مجید میں پیامبر اکرمؐ کو رووف و رحیم سے یاد کیا ہے۔اور یہ صفت کسی نبی مرسل کیلیے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالی نے پیامبر اکرمؐ کے بارے میں سورہ ی توبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزيزٌ عَلَيْهِ ما عَنِتُّمْ حَريصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنينَ رَؤُفٌ رَحيمٌ.

بتحقیق..... تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے — و تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے۔اور مومنین کیلیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔اس آیت میں واضح طور پر رووف و رحیم سے یاد کیا ہے۔ یہ صفت کسی اور نبی کیلیے حاصل نہیں ہوئی ہے —

۵ ــ خاتمیت:

خلقت کے اعتبار سے تمام مخلوقات اور سب انبیاء سے پہلے پیامبر اکرمؐ کو خداوند عالم نے خلق فرمایا، جیسے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ: اول ما خلق اللہ نوری، یعنی اللہ تعالی نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق کیا، لیکن دنیا میں تمام انبیاء کے بعد مبعوث کیا، آیت اللہ جوادی فرماتے ہیں کہ پیامبر اکرمؐ تاخر زمانی اور تاخر رتبی دونوں لحاظ سے خاتم تھے۔ یعنی پیامبر اکرمؐ سابق تمام انبیاء کی خصوصیات کے حامل تھے ــ اور ساتھ ساتھ کچھ خصوصیات صرف آپ کیلئے مختص تھیں جو سابقہ انبیاء ان صفات کے حامل نہیں تھے ــ آدم سے خاتم تک کوئی نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ سے اکمل و افضل تھا اور نہ ہی ہوگا کیونکہ اگر ہوتا تو مقام خاتمیت اسے مل جاتا نہ کہ رسول اکرمؐ کو پس مقام خاتمیت بہترین دلیل ہے کہ پیامبر اکرمؐ تمام انبیاء سے افضل و اشرف ہیں۔

منابع:

۱ ــ قرآن مجید

۲ ــ نہج البلاغہ

۳ ــ صحیفہ ی سجادیہ

۴ ــ سیرہ ی رسول اکرم در قرآن

۵ ــ منتہی الآمال

۶ ــ قصص الانبیاء

۷ ــ حیات القلوب

استاد کا مقام پیغمبر اسلامؐ کی نگاہ میں

مولانا علی حسن شگری
ریسرچ اسکالر

حضور ختمی مرتبت کا فرمان ہے کہ مجھے معلم۔ بنا کر بھیجا گیا ہے.

یوں تو معلم کی عظمت کو سب سلام کرتے ہیں لیکن اسلام میں جو عظمت معلم اور طالب علم کو عنایت ہوئی ہے. دنیا کے کسی اور مکتب میں اس کا تصور بھی نہیں ملتا۔ جہاں حدیث میں ہے کہ معلم کے لئے نباتات، حیوانات حتیٰ کہ سمندر میں موجود مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں وہاں طالب علم کے پیروں تلے خدا کے فرشتوں کے پر بچھانے کا ذکر بھی موجود ہے۔

اسلام نے معلم کو باپ کا درجہ دیا ہے لیکن حقیقی باپ اور معلم میں یہ فرق موجود ہے کہ حقیقی باپ انسان کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے لیکن معلم اس فرش نشین کو عرش نشین بنا دیتا ہے۔

معلم کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے رسول خداؐ کی یہ حدیث کافی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: ''مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔'' گویا آج کا معلم در حقیقت رسول خداؐ کا ہم پیشہ ہے.

رسول خداؐ نے فرمایا '': معلم جب شاگرد کو بسم اللہ پڑھاتا ہے تو اللہ اس وقت اس کے والدین اور استاد کے لئے جہنم کا امان نامہ لکھ دیتا ہے۔' (۱)

ایک اور حدیث میں استاد کے احترام کو ایمان کی علامت اور بے احترامی اور استاد سے ناانصافی کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے. رسول پاکؐ نے مولا علیؑ سے فرمایا: یا علیؑ تین چیزیں ایمان کی حقیقت ہیں:

۱۔ تنگ دستی کی حالت میں راہ خدا میں خرچ کرنا۔

۲۔ لوگوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا۔

۳۔ علم کو شاگردوں تک پہنچانا۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

تین قسم کے افراد کا حق منافق کے علاوہ کوئی پائمال نہیں کرے گا:

۱۔ مسلمان بوڑھے کا احترام

۲۔ اچھے لیڈر اور رہبر کا احترام

۳۔ نیک و پرہیزگار استاد کا احترام.

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

قیامت کے دن، مقام حساب میں ایک شخص کے میزان عمل میں بادل اور پہاڑ جتنا نیک عمل لا کر رکھا جائے گا تو وہ شخص حیران ہو کر پوچھے گا میں نے ایسا تو کوئی عمل انجام نہیں دیا تھا؟ خدا کی طرف سے آواز آئے گی یہ اس علم کا ثواب ہے جو تم نے لوگوں کو سکھایا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا۔ (۲)

اس کائنات کا پہلا معلم خدا کی ذات مبارک ہے اللہ کے دو نام رب اور معلم ہیں جن کے معنی تربیت کرنے والا اور تعلیم دینے والا کے ہیں۔

قرآن مجید میں ۲۰ سے زیادہ مقامات پر اللہ نے اپنے آپ کو معلم کے عنوان سے پہچنوایا ہے۔ کائنات کا دوسرا بڑا معلم رسول پاک ہے اور اس معلم بے بدیل کا شاگرد بے نظیر امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی ذات ہے جو اپنے معلم کے طرز تعلیم اور شفقت کو یوں بیان

فرماتے ہیں": جب میں کمسن تھا تو رسولؐ مجھے اپنے پاس اپنے حجرے میں بٹھاتے، مجھے اپنے آغوش رحمت میں بٹھاتے' غذاکے لقمے بنا بنا کر میرے منہ میں رکھتے، میں پیغمبر کے ساتھ ایسا رہتا تھا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے پیغمبر مجھے ہر روز ایک اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے اور اس پر عمل کرنے کو کہتے۔(۳)

رسول خداؐ کل کائنات بالخصوص آج کے اساتذہ کے لئے نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے اساتذہ اپنی زندگی میں پیغمبر اسلامؐ کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں؟

کیا آپ نے ایک معلم ہونے کے ناطے کبھی رسولؐ کے طرز تعلیم کے بارے میں سوچا ہے؟

یا کسی وقت رسولؐ کی طرح شاگردوں سے ایسے ہی انس و محبت اظہار کرتے ہیں؟

تمام اساتذہ کو چاہیے کہ وہ پیغمبر اکرم کو تعلیم وتربیت کے میدان میں اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیں، اپنی عظمت ومقام کے ساتھ ذمہ داری کو سمجھیں۔ اور نئی نسل کی (جو کہ قوم ومکتب کی امانت ومستقبل کے معمار ہیں) تعلیم وتربیت کے لئے پیغمبر کو اپنا راہنما قرار دیتے ہوئے ان کے نقش قدم پر پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ بچوں کو تعلیم کے ساتھ فکری، اسلامی تربیت کی جانب توجہ دیں۔ اور سیرت پیغمبر سے طلبا وطالبات کو آشنا کریں۔ چونکہ یہ پیغمبرانہ پیشہ ہے۔ جس کی اہمیت کے ساتھ ذمہ داری بھی سنگین ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ الحکم الزہرہ ص ۲۶۰

۲۔ بحار ج ا ص ۱۷

۳۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۷

پیغمبر اکرم ﷺ معلم اخلاق

نعمت علی ارمغانی

Niamat shigri1122@gmail.com

منجی بشریت، مکارم اخلاق سے مزین، عالم انسانیت کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم و آشنائی ی کی روشن وادیوں کی طرف لے جانے والے اس عظیم رہبر و مربی کی ولادت باسعادت کے پر مسرت موقعے پر آپ سب عزیزوں کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتا ہوں۔

جب ہم نبی کریم خاتم المرسلین ﷺ کی بات کرتے ہیں۔ تو ہمارے سامنے تمام اوصاف حمیدہ کا ایک نہ ختم ہونے والا باب کھل جاتا ہے۔آپ کی ذات مقدس عالم انسانیت کیلیے ایک بحر بے کراں کی حیثیت رکھتا ہے۔آپ وہ عظیم ہستی ہے جن کی زندگی تاریخ بشریت کے ہر دور کے ہر فرد کیل ئی ے اسوۃ حسنہ ہے۔

جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی ی اس وقت پوری دنیا جہالت کے اندھیروں میں گھیرے ہوئے تھے، لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ادب واحترام نامی اخلاقی پہلوؤں کا دور دور تک نام و نشان تک نظر نہیں آتا تھا، خواتین کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا، لڑکی کی ولادت کو بدشگونی سے تعبیر کیا جاتا، اکثر بچیوں کو زندہ در گور کیا جاتا۔ ایسے پست ترین دور میں ہادی بشریت، نبی مکرم کی ولادت باسعادت ہوئی ی اور آپ کے اخلاق حسنہ نے لوگوں کو اپنا

گرویدہ بنایا، اور لوگوں میں پیار و محبت کی فضا قائی م کی، خواتین کو معاشرے میں مردوں کے برابر مقام دیا، اور لوگوں کے فرسودہ خیالات کوُ ختم کرکے عورتوں کو بحثیت ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق کے حسنہ کی دولت سے تڑپتی انسانیت کی غمخواری کی، اپنے ازلی اور ابدی دشمنوں کو پتھر کے جواب میں پھولوں کا گلدستہ پیش کیا، جیسے شاعر کا قول ہے۔ سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ نے لوگوں کے نفرت و دشمنی کو محبت و الفت میں بدل دیا، آپسی تفریقہ بازی اور دائی می بغض و عناد کو جڑ سے اکھاڑ کر بھائی ی چارگی اور فداکاری کا درس دیا، چانچہ قرآن کریم آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں انک لعلی خلق عظیم

اور خود نبی کریم اپنے اخلاق کو یوں بیان فرماتے ہیں بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، مجھے اس لئے بھیجا گیا تا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کر سکوں،

نبی کریم ﷺ کا اخلاق تھا جس نے بہت محدود مدت میں دین اسلام کا دائرہ کار پورے جزۃ العرب میں پھیلا دیا۔ لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آپ کے دشمن بھی تعریف کئ ئی ے بنا نہ رہ سکے،

انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے پورے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی بھی مجھے اف تک نہیں کہا، اور میرے کسی بھی کام پر مجھے نہیں ٹوکا، بلاشبہ نبی کریم لوگوں میں سب سے زیادہ محاسن اخلاق کے حامل تھے۔

چانچہ نبی کریم ﷺ کے احادیث میں وارد ہوا ہے، مجھے تم سب میں سب سے زیادہ اچھا وہ شخص لگتا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور سب سے برا میرے نزدیک وہ ہے جس کا اخلاق برا ہو۔ دوسرے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ زیادہ کامل ایمان ان لوگوں کا ہے جو اچھے اخلاق والے ہیں۔

عفودر گزر آپ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم ترین حصہ تھا، جیسے فتح مکہ کے موقعے پر واضح طور پر نظر آتے ہیں، اس دن آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمایا، آپ نے ان سب کو معاف کر دیا جو آپ اور آپ کے اصحاب کے خون کے پیاسے تھے، جنھوں نے آپ کو ستایا تھا، آپ پر پتھر برسائے تھے، راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آپ کو گالیاں دی تھی، وہ بھی تھے جنھوں نے آپ پر تلواریں چلائی ی تھیں، اسلام کو مٹانے کیل ئی ے ایڑی چوٹی کا زور لگانے والے بھی موجود تھے، یہاں تک کہ آپ کے چچا حضرت حمزہ کے قاتل کو بھی معاف کر دیا،

آپ کی پاکیزہ زندگی رہتی دنیا کیل ئی ے نمونہ عمل ہے۔ جس کی گوہی قرآن کریم نے واضح الفاظ میں یوں دی ہے۔ تمھارے ل ئی ے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ مگر اس شخص کے ل ئی ے جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اور کثرت سے ذکر خدا کرتا ہے۔ احزاب ایت ۲۱

اگر ہم دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہونا چاہیں تو ہمیں چاہئی ے کہ رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ کریں۔ اور ان کی سیرت طیبہ کو عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش کریں۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

اخلاق پیغمبر ہمارے لئے عملی نمونہ

اکبر علی ترابی
مدرسہ امام خمینی قم

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القرآن)

اور تیرا اخلاق بہت ہی عمدہ اور عظیم ہے۔

خلق خلقت کے مادّہ سے ہے جس سے مراد ایسی صفات ہیں جو انسان سے جُدا نہیں ہوتیں اور وہ انسان کی خلقت و آفرینش کے مانند ہوتی ہیں۔

تمام اخلاق حسنہ آپؐ کے وجود کا حصہ تھے۔

اور اگر ہم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق کو معجزہ کہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا.

چنانچہ اس معجزہ (اخلاق) کا ایک نمونہ فتح مکّہ میں نمایاں ہوا جب وہ خونخوار اور جرائم پیشہ مشرکینِ مکّہ جنہوں نے سالہا سال تک اسلام اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف اپنی پوری قوّت صرف کی تھی۔ مسلمانوں کے چُنگل میں جب وہ گرفتار ہوئے تب مظہر اخلاق حسنہ نے فرمان جاری کردیا، اوران کے تمام جرائم کو معاف کردیا۔

آپ کے نزدیک امیر اور فقیر میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، آپ سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر اکرم ص کے پاس ایک امیر شخص آیا جو نئے لباس سے مزین تھا وہ شخص ابھی بیٹھا ہی تھا اتنے میں ایک فقیر بھی آیا اور اس ثروتمند شخص کے نزدیک بیٹھنے لگا۔ اتنے میں اس امیر نے اپنا لباس سمیٹنا شروع کیا اور اس شخص سے دوری اختیار کی۔ جب آپ ص کی نظر رحمت اس پر پڑھی تو آپ نے سوال کیا تم کیوں اس مفلس شخص سے دور ہورہے ہو؟

کیا تمہاری ثروت اسکی طرف جارہی تھی؟

اس نے کہا یارسول اللہ ایسا ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا: اسکی تنگدستی تمہیں چھورہی تھی؟

کہا ایسا بھی نہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: تو کیوں اس سے دور ہورہے ہو؟

اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ؛ شیطان مجھے ہمیشہ میرے بُرے اعمال کو نیک اور نیک عمل کو بُرا دکھلاتا ہے۔ اور اب میں اپنی ثروت میں سے نصف اس فقیر کے لیے بخش دیتا ہوں۔ پھر فقیر سے پوچھا: کیا اس پر تم راضی ہو؟

تو اس نے کہا: نہیں!

کیونکہ مجھے خوف آتا ہے کہ اگر میرے پاس مال وثروت آجائے تو کہیں میرا کردار بھی امیروں والا نہ ہو جائے!

یہاں اس حدیث میں کردار مصطفیٰ ص اور اخلاق مصطفیٰ ص موجزن ہے پہلا نکتہ یہ کہ آپ ص کے نزدیک امیر اور فقیر میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ ص نے بارہا فرمایا کہ میرے نزدیک وہی بلند مقام رکھتا ہے جو کردار اور عمل خیر میں بلند مقام رکھتا ہے۔

اس قصہ میں آپ نے ثابت کردیا کہ مال وثروت ہمیشہ قابل تعظیم نہیں ہے۔

اور دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ آپ ص نے اس ثروتمند شخص کو تنبیہ یا اعتراض نہیں کیا بلکہ شفیقانہ لہجہ میں کچھ سوالات کئے اور انہی سوالوں سے ہی اسکے رفتارِ بد کو حسن میں بدل دیا۔ تبھی

تو وہ نصف مال و دولت کو اس فقیر کو بخشوانے پر آمدہ ہوئے ! جو کہ چند لحظہ پہلے اس فقیر کی ہمنیشنی کو پسند نہیں کر رہا تھا۔

یہ تو صرف آپ ص کے اخلاق کی ایک جھلک ہے ورنہ آپ کا اخلاق بیان کرنے سے قلم قاصر ہے کیونکہ عقل انسانی اسکو سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔

رحمت للعالمین ہونے کے باوجود عرب کے بدو جاہلوں کے احترام کے لئے اپنی جگہ سے بلند ہو جاتے اور جو کوئی سفر پر جاتے تو اسکے سفر کی بہتری کے لئے دست دعا بلند فرماتے اور اسی طرح مریضوں کی عیادت، بزرگوں کی خدمت، غریبوں کے سروں پر دست شفقت رکھنا اور مظلوموں کی حمایت میں دن رات ایک کرتے تھے۔

اگر ہم کچھ لمحہ کے لئے اخلاق پیغمبر ص پر سوچنا شروع کر دیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ عرب کے ان سرکشوں کو دائرہ اسلام میں لا کر صحابی کا مقام دینا آپ ہی کے اخلاق کا کمال تھا اور یہی چیز اس بات کا سبب بنی کہ وہ یَدْخُلُونَ فِی دِینِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے مصداق بن کر فوج در فوج مسلمان ہونے لگے۔

آپؐ کا یہ رفتار ہر ایک کے ساتھ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ آپ کسی کی ہدایت کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ بحار الانوار میں ایک روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ ص ایک یہودی نوجوان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور وہ احتضار کی حالت میں تھا۔ آپ ص نے اسکو دعوت اسلام دی، تین بار آپ نے دعوت دی۔ وہ جوان ہر بار اپنے باپ کی طرف دیکھتا تھا۔

تیسری بار جب دعوت پیش کی تو اس کے باپ نے کہا: میری طرف سے تم پر جبر نہیں ہے تم خود مختار ہے۔

تب اس جوان نے کلمہ پڑھا اور وہ مسلمان ہو کر ہمیشہ کے لیے سو گئے اور آپؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اس کو غسل و کفن دیں تاکہ میں اسکا نماز جنازہ پڑھوں۔

ہمیں بھی اپنے رسول کے اخلاق کو اپنانے کے لیے کوشش کرنی چاہیے

کیونکہ خداوند عالم نے اپنے رسول کو ہمارے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور اگر ہم رسول اللہ ص ہی کو اسوہ قرار دینگے تو ہماری تبلیغ، تدریس اور ہر کام انجام بخیر ہوگا بلکہ اسی میں ہی ہماری دنیا اور آخرت کی نجات موجود ہے۔

منابع:

۱۔القرآن:
۲۔ تفسیر نمونہ ذیل آیہ (۳) سورہ قلم
۳۔الکافی، ج ۴، باب فضل فقراء مسلمین، ص ۲۶۳
۴۔ بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۴۷

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر معجزات

سیدہ زہرا نقوی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ولادت شیعہ امامیہ کے مطابق ۱۷ ربیع الأول جمعہ کے دن مشہور ہے جبکہ اہل سنت میں ۱۲ ربیع الاول ہے۔امام خمینی نے ۱۲ سے ۱۷ کے درمیان اس ہفتہ کو ہفتہ وحدت قرار دے کر یہ پورا ہفتہ پیغمبر کی یاد منانے اور مسلمانوں میں اتحاد کا ہفتہ منانے کا حکم دیا ہے۔
رسول خداؐ کا تعلق قبیلہ قریش کے خاندان بنی ھاشم سے تھا۔عرب میں بہت سے قبائل آباد تھے ان سب قبائل میں قریش معروف ترین قبیلہ تھا۔

معجزات انبیاء علیہم السلام کے نمایاں اور روشن باب ہیں اور ان کی حقانیت سے انکار ناممکن ہے۔انبیا کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے ایک اہم دلیل معجزہ ہر زمانے میں انبیا کو عطا کیا۔جو اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق تھے۔ہمارے نبی خاتم المرسلین کو بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف معجزات عطا کیا ہے۔ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے۔لیکن چند معجزات ولادت سے پہلے کے اور چند ولادت کے بعد بھی ہیں۔جن میں سے بعض معجزات کی جانب اشارہ کریں گے۔

رسول خداؐ کی ولادت کے وقت چند واقعات اور حادثات رونما ہوئے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱) جب صبح صادق کو رسول خداص کی ولادت ہوئی تو دنیا میں جتنے بھی بت تھے وہ منہ کے بل گر پڑے۔

۲) محل کسریٰ پھٹ گیا شہر مدائن میں اور اس کے چودہ کنگرے زمین پر گر پڑے۔

۳) بحیرہ سادہ جو ہمدان و قم کے درمیان ایک بالکل خشک ہو گیا

۴) اور فارس کا آتشکدہ گزشتہ ایک سال سے سرد پڑ گیا جس میں آگ جلانے کی کوشش بھی کی گئی مگر نہیں جلی۔

۵) اس رات حجاز سے ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے پوری دنیا روشن ہو گئی۔

۶) تمام بادشاہوں کے تخت و سلطنت سرنگوں ہو گئے۔

۷) ایران کے بادشاہ کسری نے پریشان کن خواب دیکھے۔

حضرت رسول خداص کی زندگی کے دیگر بعض معجزات

رسول خداص کے بہت معجزات سے تھے جن کی تعداد چار ہزار چار سو چالیس تک بھی بتائی گئی ہے جن میں سے تین سو ذکر ہوئے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ جتنے معجزات رسول خداص کے پاس تھے رسول خدا کے علاوہ اور کسی نبی کے پاس نہیں تھے اور ان سب معجزات میں سے زیادہ قوی اور باقی رہنے والا معجزہ قرآن مجید ہے اور یہ معجزہ ایسا ہے کہ جس کا مثل لانے سے لوگ عاجز رہے بعض لوگوں نے قرآن کے مقابلے میں چند کلمے پیش کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب عاجز اور رسوا ہو گئے مثلاً مسلمیہ کذاب، اسود عنسی وغیرہ۔

وہ معجزات جن کا تعلق اجرام سماوی کے ساتھ ہے۔۱) جیسے بارش اور میووں کا آسمان سے نازل ہونا، بادل کا سایہ کرنا، شق قمر، رد شمس۔

چاند کے دو ٹکڑے ہونا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروایة یعرضو ویقولوا سحر مستمر۔

یعنی قیامت قریب ہوئی چاند ٹکڑے ہوا اور اگر کوئی آیت یا معجزہ دیکھتے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں پیوستہ جادو ہے۔

بعض روایات کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش مکہ نے رسول خدا سے معجزہ طلب کیا اور بعض روایات کے مطابق چھ ذالحج کو یہ واقعہ پیش آیا۔

دوسرا واقعہ: بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں کہ رسولِ خدا نے ایک دن حضرت علی علیہ السلام کو کسی کام کے لئے بھیجا، نماز عصر کا وقت ہوا اور نماز پڑھی جا چکی تو مولا علی جب آئے تو نماز نہیں پڑہی تھی رسول خدا ص نے حضرت علی کے زانو پر اپنا سر مبارک رکھا اور نیند آ گئی اسی اثنا میں وحی نازل ہوئی اور رسول خدا وحی سننے لگے یہاں تک کے آفتاب غروب کے نزدیک ہوگیا جب وحی ختم ہوئی تو رسول ص نے پوچھا۔اے علی آپ نے نماز پڑہی ہے فرمایا آپ کا سر زانو پے تھا اور ہٹا نہیں پایا تو رسول خدا ص نے فرمایا خدایا! علی تیرے اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا پس اس کے لئے سورج پلٹا دیا اتنے میں سورج پلٹ آیا اور اتنا بلند ہوا کے اس کی روشنی زمین پر پڑی اور نماز عصر کی فضیلت کا وقت ہوا اور مولا علی ع نے نماز پڑھی پھر سورج دوبارہ پلٹ گیا۔

اور دوسری قسم وہ معجزات ہیں جو رسول خدا ص سے نباتات اور جمادات میں ظاہر ہوئے مثلاً: کھجور کے پتوں کا رسول خدا کے معجزہ سے ابو دجانہ کے لئے تلوار ہو جانا، پتھر اور درختوں کا رسول خدا کو سلام کرنا، سنگریزہ کا رسول خدا ص کے ہاتھ پر تسبیح پڑھنا، درختوں کا رسول خدا کے حکم سے چلنا اور اس کے علاوہ دوسری بہت سے معجزات تاریخی کتابوں میں نقل ہوئے ہیں۔

منابع :

۱) نام کتاب : مصطفیٰ اور آل، شیخ عباس قمی ص: ۱۵
۲) تاریخ اسلام، مدرسین حوزہ علمیہ قم، ناشر : مصباح القرآن ٹرسٹ
۳) سیرت معصومین علیہم السلام احسن المقال جلد اول، ثقۃ المحدثین آقائی شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
۴) مجمع الفضائل، مناقب علامہ ابن شہر آشوب، ناشر : ظفر شمیم پبلیکشنز ٹرسٹ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے چند پہلو

ابو لحسن بہشتی شگری

Beheshtishigri56@gmail.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پوری دنیا و کائنات کے لئے عملی نمونہ ہے آپ ص نے اپنی پوری زندگی انتہائی ادب و پاکیزگی کے ساتھ گزاری اور لوگوں کو بھی اسکی طرف دعوت دی۔

۱. رسول اکرم کا اخلاق:

آپ کے اخلاق کی بات کی جائے تو آپ کا اخلاق اور اقدار کو معاشرے میں کی عقائد و نظریات کو مضبوط کرنے کے لئے نافذ کیا۔

۲. رسول کی نرمی اور سختی:

آپ ص ہر کسی کے ساتھ انتہائی نرمی سے پیش آتے تھے حتی کہ دشمنوں کے ساتھ بھی رویہ اختیار کیا گیا آپ کی لوگوں کے ساتھ نرمی اور ملائمت کے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین و اغلظ علیھم" کفار اور منافقین سے سختی سے پیش آئیں۔ جہاں سختی سے کام لینا پڑے وہاں سختی کے ساتھ کام لینا بہتر ہوگا۔

۳۔رسول اکرمؐ امانتداری:

آپ ص کو اس جہالت کی دور میں بھی صادق وامین کے لقب سے مشہور تھے چنانچہ جب آپ مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو آپ ص نے حضرت علی علیہ السلام کو کچھ امانتیں سونپ دی تھی کہ اگر میرے جانے کے بعد کوئی آئے تو انہیں یہ امانت واپس دینا۔ اس دور جہالت میں لوگ آپ کے پاس اپنی چیزیں امانت رکھا کرتے تھے حتی کہ کفار مکہ کے بھی جو آپ کے دشمن تھے

۴۔رسول کی صبر و تحمل:

آپ ص کی صبر و تحمل کے لحاظ سے آپ اپنی مثال آپ تھے دعوت اسلام کے دوران آپ نے بہت سی تکلفیں اٹھائی حتی کہ آپ ایک گلی سے روانہ گذرتے تھے ایک بوڑھی عورت روانہ آپ کو طعنہ اور کوڑا کرکٹ آپ پہ پھینکتے تھے ایک دن اسی گلی سے آپ کا گزرنا ہوا تو وہ بوڑھی عورت وہاں پہ موجود نہیں تھا تو آپ نے اسکی خیریت دریافت کرنے کے لئے انکے گھر گئے اور انکی ضرورتیں پوری کی اور اس نے آخر اسلام قبول کیا بہت سے لوگ آپ ص کی صبر و تحمل کو دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے۔

۴۔اچھے اخلاق کی دعوت:

آپؐ ہر وقت لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اچھے اخلاق کی طرف بھی دعوت دیتے تھے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بندی اور محبت، الفت، صبر کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتے تھے ایک دوسرے سے بدکلامی، خیانت، چوری، دل میں کینہ وعداوت اور ہر ایک ایک ہی نگاہ سے دیکھنے کی نصیحتیں کرتے تھے۔

۵۔ پیغمبر کی عدل و انصاف اور پاکیزگی:

آپ ص عدل و انصاف کا بول بالا کیا کرتے تھے اس دور جہالت میں عدل وانصاف کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا اس دور میں بھی آپ نے عدل و انصاف کا علم بلند کیا۔اپ ہر کسی کے ساتھ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا خواہ وہ اپنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔اپؐ کی پاکیزگی کی بات کرے توآپ بچپن ہی سے بہت پاک و پاکیزہ انسان تھے آپ ص کی پاکیزگی کی مثال کچھ یوں ہے کہ راستے میں اگر کوئی چھوٹا بچہ ملا تواس کو بھی اپنے ساتھ بیٹھا کر اس کے ہاتھ منہ صاف کرتے اور بالوں میں کنگھی کرتے تھے آپ نے لوگوں کو پاک و پاکیزہ اور طہارت کے رہنے کی تلقین کرتے تھے

۶. رسولؐ کی حسن سلوک:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عادل اور صاحب تدبیر تھے۔ جوآنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مدینے آنے کی تاریخ کا مطالعہ کرے، وہ قبائلی جنگیں، وہ حملے، وہ دشمن کو مکہ سے بیابان کے بیچ میں لانا، وہ مسلسل وار، وہ دشمن سے مقابلہ، اس تاریخ میں ایسی حکمت آمیز، ہمہ گیر اور محکم تدبیر کا مشاہدہ کرتا ہے جو حیرتناک ہے۔آپ قانون و ضابطے کے پابند اور محافظ تھے۔ نہ خود قانون کے خلاف عمل کرتے تھے اور نہ ہی دوسروں کو قانون شکنی کی اجازت دیتے تھے۔ خود بھی قوانین کی پابندی کرتے تھے۔ قرآن کی آیات بھی اس کی گواہی دیتی ہیں۔ جن قوانین کی پابندی لوگوں کے لئے ضروری ہوتی تھی، آنحضرت خود بھی سختی کے ساتھ ان پر عمل کرتے تھے اور سرمو قانون کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے جو بھی اس دنیا میں اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو حضور صلی اللہ کی زندگی سے سکھیں دنیا میں آپ کو جتنی بھی پریشانیاں کیوں نہ ہوں اور مصلحت کا شکار کیوں نہ ہوں وہ

سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ہم استفادہ حاصل کر سکتے ہیں آج کل لوگ بہت سے مسائل سے دو چار ہے پھر بھی لوگ آپ کی تعلیمات سے روشناس نہیں ہوتے۔

اگر معاشرے کو عدل و انصاف اور پاکیزگی کرنا ہے تو سب سے پہلے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عمل پیرا ہوں بعد میں معاشرے میں اصلاحی تحریک لاگو کریں۔

معاشرے میں عدل وانصاف اور مساوات پیدا کرنا ہے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بغیر ممکن نہیں۔اگر ہم نے کامیاب معاشرہ تشکیل دینا ہے یا ایک کامیاب زندگی گزارنا ہے تو حضور کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے اس پہ عمل کرکے ہم ایک کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں حضور کی پیروی کے بغیر ہر کام نامکمل اور ایک بہترین پلیٹ فارم ہم نہیں بنا سکتے۔

ہمیں اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم کی پیروی کرکے ایک اچھا زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما۔

فلسفہ بعثت پیغمبر اور ہماری ذمہ داری

سکندر علی بہشتی

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب، پیغمبر اکرم کے فلسفہ بعثت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہاں تک کہ مالک نے اپنے وعدے کو پورا کرنے اور اپنی نبوت کو مکمل کرنے کے لئے حضرت محمدؐ کو بھیج دیا جن کے بارے میں انبیاء سے عہد لیا جاچکا تھا اور جس کی علامتیں مشہور اور ولادت مسعود ومبارک تھی۔اس وقت اہل زمین متفرق مذاہب، منتشر خواہشات اور مختلف راستوں پر گامزن تھے۔ کوئی خدا کو مخلوقات کی شبیہ بتارہا تھا، کوئی اس کے ناموں کو بگاڑ رہا تھا اور کوئی دوسرے خدا کا اشارہ دے رہا تھا مالک نے آپ کے ذریعے سب کو گمراہی سے ہدایت اور جہالت سے باہر نکال لیا۔" (نہج البلاغہ خطبہ۔۱)

خداوند عالم نے انسانیت کی نجات وسعادت کا پیغام پہنچانے کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا۔آدم سے لے کر خاتم النبین کی رسالتوں کا محور انسانیت کو جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی، کفر کی ظلمت سے نور ایمان ،غلامی سے آزادی،انسان پرستی سے خدا پرستی تک لے جانا تھا۔ہر نبی نے توحید یعنی لا الہ الا اللہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا،اس راہ میں ہر قسم کی زحمات وتکالیف برداشت کیں اوردین حق کی اشاعت کے ذریعے کفر،شرک وانحرافی نظریات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔مگر انبیاء کی اس دنیا سے رحلت کے بعد اس نبی کے پیروکار الٰہی پیغام میں تحریف

کرتے اوراس کے اصل چہرے کو مسخ کرتے توخدا کی جانب سے دوبارہ پیغمبر مبعوث ہوتے یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آخری نبی کو اللہ نے بھیجا۔رسالت ونبوت کا سلسلہ آپ پر ختم کردیااور قیامت تک کے لئے دین اسلام کوایک جاویدانی اور ابدی دین قرار دیا،آپ کی بعثت ایسے دور میں ہوئی جہاں جاہلیت اپنے عروج پر تھی۔

امام علیہ السلام نے اس خطبے میں بعثت سے پہلے دور کی صورتحال کاجائزہ پیش کیا ہے، حضرت کے فرمان کے مطابق بعثت سے پہلے توحید کا اصل مفہوم مکمل طور پر مسخ ہوچکا تھا۔کفر،شرک،بت پرستی کا دور دورہ تھا۔انسان الٰہی تعلیمات اور انبیاء کی راہ سے دور ہونے کی وجہ سے مختلف قسم کے انحرافات کاشکار تھا۔جیسے

متفرق مذاہب:

(واہل الارض یومئذ ملل متفرقہ) معاشرہ مختلف اقوام وملل میں بٹے ہوئے تھے،دین الٰہی سے دور ہونے کی وجہ سے ان مشکلات وبلاؤں میں مبتلا تھے ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ اس دورکے انسان متفرق اور مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے تھے بعض یہودی، مسیحی، بت پرست ومشرکین۔۔۔۔

اختلاف آراوافکار:

(واہوامنتشرہ)یعنی مختلف واکثر مذاہب وادیان کی پیدائش کا سبب خواہشات نفسانی ہے اگرچہ اس کے پیروکاراس کو درک کرنے سے عاجزہوں.

مختلف راستے:

(وطوائق منتشتۃ) وہ مختلف راستے یہ ہیں: (مشبہ للہ بخلقہ) جیسے بت پرست خدا کو خوبصورت بیٹی یا نور کی شکل میں دیکھتے تھے درحالیکہ خدا مجرد کامل ہے اور مادیات سے مافوق ہے۔

(اوملحد فی اسمہ) وہ اسما و صفات خدا پر اطلاق کرتے ہیں جو خدا کے لئے سازگار نہیں ہے۔

(اومشیرالی غیرہ) یعنی غیر خدا کی طرف اشارہ کرتے ہیں. (یونس۔۱۸) یہ بت خدا کے نزدیک شفیع ہے۔

(فھداھم بہ من الضلالۃ) ہدایت کے دو معنی ہے ایک معنی اراءۃالطریق یعنی راستہ دکھانے کے ہیں دوسرا ایصال الی المطلوب یعنی مقصد تک پہنچانا۔ پیغمبر نے انسانیت کی ہدایت کا یہ عمل تمام تر سختیوں کے باوجود انجام دیا۔ عرب کے اس جہالت سے بھرے معاشرہ کو ہدایت اور نور میں تبدیل کیا۔

(وانقذھم بمکانہ من الجھالۃ) پیغمبر اور اسلام کی برکت سے جہاں علم نے ترقی کی یہاں تک مغرب اور یورپ نے ترقی کا ریشہ جہاں اسلام سے لیا ہے۔ اور انسان گمراہی وضلالت کی دلدل سے نکل کر احسن تقویم کی اس منزلت تک پہنچا دیا۔ اور آپ کی یہ ہدایت زندگی کے کسی ایک شعبہ تک محدود نہیں بلکہ گھر، بازار، مسجد، صلح، میدان جنگ، خیر وشر حقوق وفرائض.... تمام جگہوں میں اس کے آثار نظر آتے ہیں۔

اسلام کے پیغام نے انسانوں کی اجتماعی زندگی کو بدل دیا اور مسلمان اس پیغام کے ذریعے دنیا پر چھا گئے اور متفرق مذاہب کو امت واحدہ میں تبدیل کر لیا اور اختلاف آراء ونظریات کو ختم کر کے کلمہ توحید اور آپ کی رسالت پر سب کو جمع کیا اور مختلف راستوں کو ختم کر کے صراط مستقیم کو ہی انسانیت کی نجات کا واحد وسیلہ قرار دیا۔ پیغمبر نے ۲۳سال کی مختصر مدت میں ایک اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لایا۔ اور اسلام کے عالمگیر وآفاقی پیغام کے ذریعے انسانیت کے لئے نجات

بخش نظام مکمل شکل میں مسلمانوں میں امانت چھوڑ گئے۔ تاکہ وہ اس کی پاسداری، نشر وفروغ اور تحفظ کا عظیم فریضہ انجام دے۔ مگر امت نے پیغمبر کی وصیت اور فرامین کو نظر انداز کیا جس کے نتیجے میں مسلمان قرآن و پیغمبر کے دستورات سے دور ہوتے گئے۔

آج ہماری صورتحال پھر وہی دور جہالت کا منظر پیش کر رہی ہے۔ اور قرآن وسیرت پیغمبر اور اسلامی قوانین سے دوری کی وجہ سے پھر افتراق، خواہشات اور اختلاف مسلمانوں میں واضح وآشکار نظر آرہے ہیں۔

انسانیت الٰہی نظام اور قانون سے دور ہونے کی وجہ سے اعتقادات، نظریات میں توازن کھو بیٹھی ہے۔ 'معنویت کا خاتمہ ہوچکا ہے، قوانین عدالت سے خالی، خود غرضی، اضطراب، بے چینی اور غلامی نے انسانوں سے امن وسکون چھین لیا ہے۔ اس تاریک دور اور مشکلات سے نجات صرف اس وقت ممکن ہے جب محسن انسانیت کے پیغام کو مشعل راہ قرار دے کیونکہ آپ کی دعوت ہمہ گیر، نظام عدل وانصاف سب کے لئے یکساں، قانون کی نظر میں برابر اور اس پیغام کا اثر زندگی کے ہر پہلو پر ہے

اس انقلاب کی بنیاد محبت، خیر خواہی پر قائم ہے۔ اس کی روح 'حسن سلوک، معافی، دشمن کے ساتھ بھی انصاف اور ہر قسم کی امتیازات کا خاتمہ اس۔ دین کی بنیادی علامت ہے۔ توحید ونبوت کے اقرار سے لسانی، مکانی، خاندانی اور قومی تعصّبات ختم ہو کر فرد مسلم اس آفاقی پیغام کے ذریعے ایک ہی امت بن جاتی ہے اور اللہ کی بندگی وخدائی قوانین پر عمل ہی معیار ہے۔ اور اس کا ذریعہ رسول اکرم کی اطاعت ہے۔

امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اس دعوت کا احیا کریں آپ کے قائم کردہ اصولوں پر تبدیلی کے لئے قدم اٹھائیں اور دور حاضر میں انسانیت کے لئے درپیش مشکلات کو پیغمبر اکرم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے اور دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اقدام کریں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں اتحاد ضرورت یا شرعی فریضہ؟

سکندر علی بہشتی

امت اسلامی کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضروت ہے اور اس کی طرف قرآن وحدیث میں بھی تاکید کی گئی ہے وہ موضوع ''اتحاد امت'' ہے امت اسلامی سے مراد قرآن کو آخری الٰہی کتاب وپیغمبر خاتم الانبیا اور اسلام کو قیامت تک کے لئے اللہ کا آخری دین ماننا والا گروہ ہے جیسے کہ حدیث میں ان چیزوں پر ایمان رکھنے والے کو مسلمان کہا گیا ہے۔

عجلان سے مروی ہے کہ میں نے امام صادق سے پوچھا، مجھے ایمان کی تعریف بیان فرمائیں۔ امام علیہ االسلام وے فرمایا: خدا کی وحدانیت اور حضرت محمدؐ کی رسالت کی گواہی دینا، آپ جو کچھ خدا کی جانب سے لائے ہیں ان سب کا اقرار، پنج گانہ نمازیں پڑھنا، زکوۃ دینا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا، خانہ کعبہ کا حج کرنا ہمارے دوستوں سے دوستی اور ہمارے دشمنوں سے دشمنی کرنا اور صادقین کی زمرہ میں داخل ہونا۔ (شعور اتحاد شمارہ۔ا)

جو بھی ان مبانی پر اعتقاد رکھتے ہوں وہ امت اسلامی میں شامل ہے۔ جیسے کہ خدا فرماتا ہے: بے شک تمہارا یہ دین ''اسلام'' ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔ (انبیاء۔ ۹۲)

اس گروہ کا ہدف اور منزل اسلام کی نگاہ میں ایک ہے لہٰذا اپنے اہداف کے حصول کے لئے امت کا

اتحاد ایک دینی اصل اور عقلی ضرورت ہے اور اسلام کے مایہ ناز علمانے اسی کی ضرورت واہمیت پر زور دیا ہے اور عملی طور پر بھی کوشش کرتے رہے ہیں۔

اتحاد کا مقصد مسلمانون کا اپنے افکار نظریات سے دستبردار ہو کر دوسرے کے افکار کو قبول کرنا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا اپنی مذہبی ہویت وشناخت کو محفوظ رکھتے ہوئے، مشترک دشمن کے مقابل متحد وہم مقصد ہو جائے اور ایک دوسرے کے مقدسات کا مکمل احترام کرے۔ اور اپنے نظریات کو دلیل ومنطق اور دوسروں کے افکار کا احترام رکھتے ہوئے بیان کرے۔ قرآن نے واضح طور پر اتحاد پر زور دیا ہے ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نکال لیا اور اللہ اسی طرح اپنے آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاو۔(آل عمران۔ ۱۰۳)

حبل اللہ سے مراد اللہ کی کتاب، رسول اکرم اور دین اسلام ہے جو انسان خدا تک پہنچاتا ہے۔ پیغمبر کی ایک حدیث میں تمام مسلمانوں کو جسد واحد قرار دیا گیا ہے جس کے عضو کی تکلیف پورے جسم کو درد میں مبتلا کر دیتی ہے۔آپ نے فرمایا کہ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس کے اوپر ظلم نہیں کرتا ہے اور اسے تنہا نہیں چھوڑتا ہے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مشغول ہوتا ہے خدا اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو کسی مسلمان کا کوئی غم دور کر دیتا ہے خدا قیامت کے دن اس سے قیامت کا غم دور کر دے گا۔اور جو کسی مسلمان کو لباس پہناتا ہے خدا قیامت کے دن اس کو لباس پہنائے گا۔

امام صادق کی نظر میں مسلمان جماعت سے ایک بالشت کا فاصلہ اختیار کران اپنی گردن سے اسلام کے رشتہ کو الگ کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ان اس

کی تعلیمات کا احیا اور معاشرے میں فروغ اور ایک اسلامی معاشرے کا قیام مسلمانوں کی آپس میں ہم بستگی اور وحدت سے ہی ممکن ہے۔

استعمار اور اسلام دشمن عناصر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور انتشار پھیلائے اور کبھی امت ایک نکتہ پر متحد نہ ہو جائے۔اس لئے مختلف جزوی مسائل اور اختلاف کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے اعلیٰ اہداف اور اصلی مقصد سے دور رکھاہے۔ اور یہ سلسلہ اسی دن سے شروع ہوا جس دن پیغمبر اکرم الٰہی پیغام لے کر مبعوث ہوئے اور مختلف طریقوں من جملہ طمع دھمکی، جسمانی اذیت، ترک موالات ،اقتصادی ناقہ بندی، نفسیاتی اثر فوجی دھمکیوں کے ذریعے کیا گیا مگر پیغمبر نے ظالم قریش کے چنگل سے آزاد ہوتے ہی مدینہ میں مسلمانوں میں برادری قائم کرکے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پھیلانے کی سازشوں پر پانی پھیلا دیا۔

لیکن پیغمبر اکرم کے بعد امت دین اسلام کی تعلیمات سے دور ہونے اور اسلامی قیادت سے ناآشنا افراد کے ہاتھوں میں آنے کی وجہ سے اسلامی مفادات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔پس اس فراموش شدہ اصول کا احیا وقت کے علما ودانشمندوں کی اہم ذمہ داری ہے کیونکہ امت مسلمہ ایک نہایت مشکل دور سے گزر رہی ہے جہاں عالم استعمار نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک ثقافتی اور عملی جنگ قائم کی ہوئی ہے۔اس سے مقابلہ کے لئے واحد ہتھیار وحدتِ امت ہے۔ اس لئے وحدت کے اہداف کا واضح ہونا،اور وحدت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کی پہچان اور اس کے علل واسباب سے آگہی ضروری ہے تاکہ ان رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔جو وحدت جیسے عظیم اسلامی اصول سے دور ہونے کا سبب ہے۔

آج بھی مسلمانوں کی عظمت کی بحالی اور اسلام کی سربلندی کے اس اہم عامل سے استفادہ کرتے ہوئے اتحاد وحدت کو فروغ دیے کر ہی مسلمان عزت وسربلندی حاصل کر سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نور و روشن کتاب

محمد ساجد سرکار۔
گلستان جوہر کالج کراچی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور ایک روشن کتاب۔ (سورۃ المائدہ)

مندرجہ بالا آیت میں نور اور روشن کتاب سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت تو نور ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظاہری بشری وجود بھی اس قدر لطیف تھا کہ اگر اسے بھی نور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی نورانیت اور لطافت کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ روایت فرماتے ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی سورج کے مقابل ٹھہرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آجاتی اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سراج (چراغ) کے مقابل ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آجاتی۔

یہ بات سائنس سے تحقیق شدہ ہے کہ سورج کی روشنی سے ہر اس چیز کا سایہ بنتا ہے جو ٹھوس شکل میں ہو اور اس کے اندر سے سورج کی کرنیں نہ گزر رہی ہوں۔ مگر ایسی کسی بھی شے

کا سایہ نہیں بنتا جس کے اندر سے سورج کی کرنیں گزر سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ نور ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے سورج کی کرنیں گزر جاتی تھیں جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ مبارک نہ تھا۔

بلکہ اگر اس بات کو یوں بیان کیا جائے کہ جن کے نور سے سورج کو روشنی میسر ہے وہ سورج اتنی تاب کا مالک کہاں ہو سکتا ہے کہ نورِ محمدی سے گزر سکے کیونکہ نورِ محمدی سورج کی روشنی پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآنِ مجید میں کبھی سراجاً منیرا، کبھی النجم، کبھی الشمس اور کبھی القمر کے نام سے یاد فرماتا ہے۔ ان تمام تشبیہات سے اللہ پاک اپنے محبوبؐ کی نورانیت کو ہی ظاہر فرمارہا ہے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری حسن و جمال کی بات کی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ گندمی سفید، پیشانی کشادہ، دندان مبارک کھلے، ناک مبارک اونچی، آنکھیں سیاہ، دلکش صورت، داڑھی مبارک گھنی، ہاتھ مبارک لمبے، انگلیاں مبارک باریک اور قد درمیانہ تھا مگر شان و شوکت کی بنا پر سب سے نمایاں نظر آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے۔ صرف ناف تک خط بنا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے والد محترم کے آبِ منی سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ بی بی آمنہؓ کے لئے جبرائیل امین جنت سے ایک پھل لائے تھے جو شجرۃ النور کا پھل تھا۔

آغوش محمدؐ میں پلٹتی دنیا

اکبر علی کرامتی

تاریخ انسان کے ذریعے سے بنی ہے اور انسان کی تربیت کسی بھی چیز سے پہلے انبیاء کے توسط سے ہوئی۔ اگر ہم تخلیقی اور تعمیراتی میدان میں انسان ہی کو اول اور آخر سمجھیں، تو کوئی ہنر مند انبیاء کے برابری نھیں کر سکتا، تخلیق کے مالک نے کائنات کو انسان کے لئے اور انسان کو ایمان کی قدرت کے لئے مسخر، جبکہ انبیاء کو اس سلسلہ تسخیر کا مالک بنادیا۔

کوئی بھی چیز جو ایمان کے علاوہ ہو جیسے: علم، عقل، ہنر اور قانون۔۔۔۔ آدمی کے ہاتھوں اپنے غرائز کی تکمیل اور ختم نہ ہونے والی خواہشات کے حصول میں ایک وسیلہ کے سوا کچھ نھیں۔ اور صرف انبیاء کے لائے ہوئے ایمان کی طاقت ہی ھے جو قرآن کی تعبیر کے مطابق انسان کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہے "یا أیها الذین آمنوا استجیبوا لله و للرسول إذا دعاکم لما یحییکم "(انفال آیه۲٤)؛یعنی طبیعت سے مافوق ایک بلند ہدف دے کر ایک طرف انسان کے خواہشات کو کنٹرول تو دوسری طرف انسان کی اندرونی و معنوی دنیا میں ایک انقلاب لاتا ہے۔

اس ترقی یافتہ دور میں انسان کے علمی اور فنی قدرت کے سامنے کوئی قلعہ فتح ہوئے بغیر نظر نہیں آرہا ہے، مگر ایک قلعہ جو " قلعہ نفس" کہلاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف یہ قلعہ باقی تمام قلعوں سے زیادہ انسان کے قریب ہونے کے باوجود اس کی فتح، بقول شاعر فارسی:

کار عقل و هوش نیست   شیر باطن سخرہ خرگوش نیست۔

تو دوسری طرف قضائے الہی سے انسان کی تمام خوشبختی اور سعادت کے سب سے خطرناک دشمن، پیغمبر اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق: "اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك" (بحار، ج۷۰، صفحہ ۶۴۰) اسی قلعہ میں چھپا نظر آتا ہے۔

آج انسان علمی اور فکری اعتبار سے اس حد تک ترقی کر گیا ہے کہ ستاروں پر زندگی کرنے کا سوچ رہا ہے۔ لیکن یہ تمام معجزہ آسا ترقی کے باوجود انسانیت کے راہ میں نہ فقط ایک قدم آگے نہ بڑھا ہے، بلکہ اپنی سیاہ ترین دور جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑا ہے۔ کیونکہ جھوٹ اور منافقت نے صداقت اور یک زبانی کی جگہ لی ہے۔ کسی بھی دور میں اس دور کی طرح عدالت آزادی، صلح دوستی، امانت صداقت۔۔۔۔کے بارے میں بات نھیں کی گئ جبکہ کسی بھی دور میں عصر حاضر سے زیادہ انھی کی پایمالی ہوتے نھیں دیکھی گئ۔

خلاصہ؛ آج کا انسان اس آیہ کریمہ کا کامل مصداق ہے: " و من الناس من یعجبك قوله فی الحیواة الدنیا و یشهد الله علی ما فی قلبه و هو الد الخصام و اذا سعی فی الأرض لیفسد فیها و یهلك الحرث و النسل "(بقرہ آیہ ۲۰٤)

اس وقت انسان اپنی تمام تر علمی کامیابی کے باوجود روتے اور پیٹتے نظر آتا ہے اور آئے روز دنیا کے کسی نقطے سے کوئی قوم، ملت یا انسان کے پسنے کی آواز بڑھتی جارہی ہے۔ مشکل کہاں ہے؟ کیا حاکمان دنیا کا دعوی نھیں تھا کہ ہم ہی انسان کو نجات دلائیں گے اور اسکی نجات دین اور ایمان کو ھماری زندگی سے حذف کرنے میں ہی ہے؟ کیا وہ اپنے دعوی میں سچے تھے؟ نھیں، بلکہ یہ سپ وہی منافقت کی جڑیں تھی جسکی شاخیں آج لیبرالیزم، سکولاریزم، فمیزم، اومانیزم۔۔۔۔ کی شکل میں پھیل رہی ہے۔ اور ان سب کو حقوق بشر اور انسان کو نجات دلانے کے بہانے پر ایسے عالمی اداروں کے اوپر والی منزلوں سے دنیا والوں کو سناتے ہیں، جنکی نچلی منزلوں میں ایک منٹ میں پوری بشریت کو نابود کرنے والی ایٹمی ہتھیاروں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

یورپ نے جب سے دین کو چھوڑ کر ظاہرا اپنے آس پاس بہت کچھ تبدیلیاں لانے میں کامیاب ہوتے دیکھ کر اپنے آپ کو کائنات کا حقیقی فاتح سمجھا، اور معنویت سے خالی مادی دنیا کو ہی کنویں میں گرے انسان کے نجات کی رسی سمجھی، لیکن بہت جلد سمجھ گئے، کہ یہی رسی انکو نجات دیئے بغیر کنویں میں گرے انسان کے گلے اور کنویں سے باہر انسان کے پیروں میں لٹک کر دونوں کو موت کے گاٹ اتارنے لگی ہے۔ اور آج دنیا اپنے ہاتھوں سے نکلتی دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا ہے کی غلطی کہاں پر تھی؟ جس کا جواب دین اور ایمان سے خالی زندگی ہی کو سمجھا جا رہا ہے۔

کل کا یورپ جس ایمان سے خالی ہو کر سکون سے زندگی گزارنے کا خواب دیکھ رہا تھا، آج اپنے تمام مقصد میں شکست کھا کر اپنی تمام دولت کو دے کر ایک گھڑی کے سکون کے لئے سر گرداں ہے۔ اور اپنی منافقت سے انسانیت پر کئے ہوئے ظلم پر اعتراف کرتے ہوئے بڑے بڑے نامور جیسے: برناڈ شاد، کل کے یورپ کا یوں پیش بینی کرتے نظر آتا ہے: " وہ زمانہ دیکھ رہا ہوں جسکے آثار ابھی سے نظر آرہا ہے، کہ محمدؐ کا ایمان کل یورپ میں مورد قبول ہوگا۔ میرے عقیدے کے مطابق محمدؐ جیسی شخصیت آج کی دنیا کا مالک بنے، اس طرح دنیا کی مشکلات پر قابو پالے گا کہ صلح اور بشر کی سعادت حاصل کر ہی لے گا"۔ (سیری در سیرہ نبوی۔ مطہری۔ صفحہ ۲۰)

آج اگر تمام مسالک اور مذاہب میں دین سے اعراض نظر آرہا ہے اور اسلام بھی اپنے اندر بحران کا شکار ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بھی وہی کلیسا کے اشتباہ کی سزا بھگت رہا ہے۔ آج کی دنیا وہی اندازہ ایک نجات دہندہ کا احساس کر رہی ہے، جس انداز سے زمان جاہلیت میں احساس کی جا رہی تھی، اور جب یہ احساس تمام عالم میں چھا جائے گا ــ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں تو انسان کو سوائے ایمان محمدؐ سے سرشار شخصیت کے آغوش میں پناہ لینے کے علاوہ کوئی راستہ نظر نھیں آئے گا اور اسی دن اس پیغمبر کی حقیقی جشن ولادت منایا جائیگا جو بشریت کی نجات کے لئے تشریف لائے تھے۔

بچوں کے ساتھ حضور اکرمؐ کا حسن سلوک

نازیہ بتول۔اسلام آباد

حضرت محمد بن عبد اللہ ۱۷ربیع الاول کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔آپ کی کنیت ابو القاسم ہے۔دنیا کے کامیاب ترین پیشواوں میں آپ کا نام سر فہرست ہیں۔یوں تو آپ کی زندگی کا ہر پہلو قابل تقلید و نمونہ عمل ہے۔

اور آپ کی حیات طیبہ میں ہر شخص کے ساتھ وبرتاو میں حقوق کی پاسداری،احترام،محبت اور حسن سلوک نظر آتا ہے۔لیکن سیرت نبوی کا ایک نمایاں پہلو بچوں کے ساتھ شفقت،حسن سلوک ہیں۔

اس بارے میں مختلف واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں۔جو آپ کے اصول زندگی کی جانب بھی نشاندہی کرتی ہیں۔

بچوں کے ساتھ آپ کا سلوک آپ کی سادگی کے ساتھ اس بات کی علامت ہے کہ بچے معصوم ہوتے ہیں اور اس عالم میں رنگ برنگے پھولوں کی مانند ہیں۔

ہمیں بھی بچوں کے مزاج کو سمجھنا اور سیرت نبوی کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

نبی کی زندگی کے جس گوشے پے بھی نگاہ دوڑائیں تو تو کامل نمونہ ہے۔بچوں کے ساتھ حسن سلوک میں آپ بہترین مربی و معلم ہیں۔

نیز بچوں پر آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے آپ سے زیادہ کوئی رحم کرنے والا نہ ہوگا۔ نرمی، محبت، عاطفت نہ صرف آپ نے تعلیمات وزبان سے دیا بلکہ عمل کے ذریعے بھی اس کا ثبوت پیش کیا۔

اس سلسلے میں فرمایا:

وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔

آپ نے اپنے نواسوں حسن و حسین اور دوسرے بچوں کے ساتھ اپنی محبت اور اچھے سلوک کے ذریعے بچوں سے محبت واحترام کا درس بھی دیا۔

پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ اور امت مسلمہ کی حالت زار

شعبہ تحقیق

رسول اکرم ﷺ کی زندگی وسیرت طیبہ انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔آپ کی زندگی کا ہر پہلو انفرادی، معاشرتی، خاندانی، سیاسی نیز ہر شعبہ زندگی میں انسانی واسلامی زندگی گزارنے کے لئے مشعل راہ ہے۔ جس پر عمل پیرا ہونا ہی انسانیت و مسلمانوں کی بقاو نجات کا ضامن ہے۔

اس وقت ہمیں معاشرتی اور اجتماعی مسائل میں اپنے کردار واعمال کا جائزہ سیرت رسول ختمی مرتبت کی روشنی میں لینا ضروری ہے تاکہ ہمیں یہ دیکھ سکیں ہم پیغمبر اکرم کی سیرت پر چل رہے ہیں یا نہیں؟

پیغمبر کی زندگی کا نمایاں پہلو ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم یعنی رحماء بینہم تھا۔ جس کا عملی مظاہرہ آپ نے مدینہ میں مواخات سے کیا اور سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا۔ مگر یہ اخوت کا رشتہ آج ہمارے درمیان متروک ہے۔

پیغمبر کی زندگی کا اہم درس عفو ودر گزر ہے ایک دوسرے کی کمیوں و کوتاہیوں اور خامیوں کو مومن مومن کا آئینہ قرار دیا۔ اور پیغمبر نے مختلف افراد حتی سر سخت دشمن کو معاف کر دیا۔

پیغمبر نے ایک اسلامی معاشرے کے استحکام کے لئے سو ظن،الزام، تہمت ،بے احترامی ،توہین وتخریب کی سرسخت مخالفت کے ساتھ پیار و محبت،احترام اور معاشرہ میں ایک دوسرے سے حسن ظن کی تلقین کی۔

پیغمبر نے آپس کی کینہ وعداوت،دشمنی اور اختلاف کو دوستی اور الفت میں تبدیل کرکے عرب ماحول میں میں موجود جاہلیت کو ختم کرکے اسلامی اصولوں کواحیا کیا۔

آپ نے ہر قسم کی لسانی، قومی، گروہی تعصب اور قوم پرستی کو مٹا کر تقوی کی بنیاپر مسلمانوں کو جمع کیا۔

سوچنے کامقام ہے۔ ! !

کیاہمارے معاشرہ میں سیرت طیبہ اور ان کے فرامین پر عمل ہورہاہے یاہم ان اقدار سے دور ہیں ؟!!

تیسرا حصہ

مضامین

سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مذاق کا پہلو

خادم حسین جاوید قم المقدس

عام طور پر ہم اپنے رویوں کے بارے میں ایک ہی خود ساختہ ذہنیت کو پرورش دے رہے ہوتے ہیں، جیسے ہم سمجھتے ہیں مزاح وغیرہ کرنا بڑی شخصیات اور باوقار لوگوں سے یہ کام سرزد ہو جائے، ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اول تو ہماری معلومات، دین اور خاص کر سیرہ نبوی کے متعلق ناقص ہیں، ثانیا ہم اپنے معاشروں میں موجود ہر نوع مزاح کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں، در حال اینکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جیساکہ ہم دیکھتے ہیں مزاح ابتدائی طور پر دو قسم کا ہیں:

۱۔ حرام مزاق۔ ۲۔ حلال مزاق۔

وہ طرز تفکر جو عام طور پر رائج ہے وہ حرام مزاح کے بارے میں ہے جس کا اسلام نے ہرگز اجازت نہیں دی ہے، جو جھوٹ، غیبت، اہانت، تہمت اور توہین۔۔۔وغیرہ کے ساتھ انجام پائے اور اس مزاح میں مخلوق کی معمولی سی رضایت کی خاطر خالق کی معصیت کا مرتکب ہوتے ہیں، اس قسم کا مزاح کا اسلامی تعلیمات میں کوئی جواز نہیں ہے، لیکن اس کے مقابل مزاح کی دوسری صورت ہے جو جائز ہے۔البتہ انسان وہ کام جس میں خوشحالی اور سرور پایا جاتا ہے اسے بہت پسند کرتا ہے اور اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔ بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں بھی ایسے نمونے پائے جاتے ہیں جس میں مزاح پایا جاتا ہے، ان میں سے کچھ پیش نظر ہے کیونکہ خوشی اور خوشحالی کرنا انسان کی فطرت کا حصہ ہے۔اسی لئے دین اسلام بھی مسلمانوں کی خوشی اور خوشحالی کے لئے ایک

خاص اہمیت کا قائل ہے۔اسی لئے تو پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کے جانشینؑ کے چہرے ہمیشہ خندان اور خوشی سے سرشار ہوتے تھے۔ روایات میں ذکر ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ جب بھی کسی سے گفتگو فرماتے تھے تو چہرے میں مسکراہٹ عیاں ہوتی تھی۔(۱)

آپ ﷺ اسی حوالے سے فرماتے ہیں: خدا، مذاق کرنے والے انسان کا مزاق جھوٹ پر مبنی نہ ہو تو، اسکا مواخذہ نہیں کرتا ہے۔(۲)

اسی طرح امام علی (ع) نیز فرماتے ہیں : « خوش روىي (خندہ پیشانی) ایک احسان ہے جس کا کوئی ہزینہ نہیں ہے ». (۳)

اسی حوالے سے پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرہ طیبہ کے چند نمونے پیش خدمت ہے:۔

مجھے آٹھ اخروٹ کے بدلے بھیج دیا:

ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ بلال حبشی کے ہمراہ گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک گلی میں کھیلتے چند بچے آپ ﷺ کے دامن سے لپک گئے اور ضد کرنے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ جس طرح آپ اپنے حسنؑ اور حسینؑ کو اپنے شانے پر سوار کرتے ہیں ہمیں بھی اپنے شانے پر سوار کریں۔ بچے ایک خاص شوق اور ولولہ کے ساتھ آپ کے دامن مبارک کو گرفت میں لئے چھوڑنے کی بات نہیں کررہے تھے اور اپنی خواہش ست دستبردار نہ تھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے بلال سے فرمایا: گھر جاؤ اور جو بھی مل جائے اٹھاکے لے کر آجاؤ تاکہ ان بچوں سے معاملے کروں۔ بلال جلدی سے گئے اور آٹھ آخروٹ اٹھاکے لائے اور ان اِخروٹ کو بچوں کو دیا اور ان کی ضد سے چھٹکارا پایا اور بلال کے ساتھ اپنا راہ چل پڑے۔ راستے میں بلال سے پیغمبر اکرم ﷺ نے مذاق سے فرمایا: خدا میرے برادر یوسف صدیق پر رحم کریں، جنہیں بہت کم قیمت کے عوض بیچا گیا اور مجھے بھی آٹھ آخروٹ پہ۔(۴)

ابوہریرہ کا، پیغمبر ﷺ کے ساتھ مذاق:

"میں آپ کے جوتے کھا رہا ہوں"

ابوہریرہ ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ کے تعاقب میں کسی مناسب فرصت کی تلاش میں تھے، تاکہ آپ کے جوتے اٹھالے۔ پیغمبر اکرم نے بھی اپنے جوتے دروازے کے باہر اتار دئے تو ابوہریرہ نے آرام سے جا کر آپ کے جوتے اٹھائے اور بازار کی طرف چل پڑے۔ بازار میں کسی خرما فروش سے جوتیوں کا معاملہ کیا اور چند خرما لے کر پیغمبر اکرم ﷺ کے گھر پہنچ گئے اور گھر میں کسی گوشے میں بیٹھ کر خرما کھانے لگے۔ پیغمبر اکرم ﷺ اصحاب کے ساتھ محو گفتگو تھے کہ اچانک آپ کی نظر ابوہریرہ پر پڑی اور پرسش کی، تم کیا کھا رہے ہو؟ تو اس نے رض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے جوتے کھا رہا ہوں۔ (۵)

جس نے بھی خرما کو گھوٹھلی ساتھ کھائی ہو:

ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ اور امام علیؑ ایک ساتھ خرما تناول فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ جو بھی خرما تناول کرتے اس کی گھوٹھلی کو آرام سے امام علیؑ کے سامنے رکھ دیتے۔ جب خرما تناول کرنے سے ہاتھ اٹھایا تو تمام گھوٹھلی امام علیؑ کے سامنے پایا۔ اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا: «اے علیؑ! بہت زیادہ کھاتے ہو تم» امام علیؑ نے جواب میں عرض کیا: «وہ جس نے خرما کو گھوٹھلی ساتھ کھایا ہے، وہ پرخور تر ہے» (۶)

جانتا ہوں شہد کو پسند کرتے ہیں:

نُعَیمان کا تعلق، پیغمبر کے نیک اصحاب اور یاران باوفامیں سے ہے۔ اور ذاتا ایک مزاحیہ طبیعت کے مالک تھے۔ ایک دن بازار میں نعیمان کی نگاہ ایک شہد فروش پر پڑی تو، اسے شہد کے ساتھ پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں انکے گھر لے آئے اور شہد کو پیغمبر اکرم ﷺ کے ایک

خادم کے حوالے کیا تا کہ اسے آپکی خدمت پہنچائیں اور شہد فروش سے بھی کہا کہ وہ انتظار کریں اسکی یمت وصول کرکے وہاں سے جائے۔ پیغمبر ﷺ نے سمجھا شاید نعیمان نے شہد کو آپ کے لئے ہدیہ کے طور پر لایا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس شہد فروش نے دستک دی اور کہا: اگر دینے کے پیسے نہیں تو ہمارا شہد ہمیں واپس کر دیں۔ آپ ﷺ سمجھ گئے وہ شہد کسی کی طرف سے تحفہ نہیں ہے تو آپ نے اس کی قیمت اِدا کی اور جب بعد میں آپ نعیمان سے روبرو ہوگئے تو فرمایا: یہ کیا کام تھا جسے تو نے انجام دیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے معلوم تھا آپ شید زیادہ پسند کرتے ہیں اس لئے اس شہد فروش کو آپ کے گھر تک رہنمائی کی تھی۔ اس کے بعد آپ مسکرائے اور جب بھی انہیں دیکھتے مذاق میں ان سے یہی فرماتے: کہاں ہے وہ شہد فروش تاکہ اپنے شہد کی قیمت وصول کرتے؟ یا نعیمان سے فرماتے: کاش! کوئی شہد فروش آجاتا اور ہمیں اپنی میٹھی باتوں سے خوش کرتا۔ (۷)

اسی طرح پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک عمر رسیدہ عورت، بلال حبشی اور عباس جو آپ کے چچا تھے، ان سے مذاق کیا کہ بوڑھی عورتیں، کالے لوگ اور بوڑھے لوگ بہشت میں داخل نہیں ہونگے۔ جس پر وہ رونے لگے۔ بعد میں آپ نے ان کو بلا کر توضیح دی کہ بہشت میں سب جوان ہونگے اور کالے بھی کالے نہیں رہیں گے بلکہ سفید پوست ہونگے خداوند خوبصورت بنائیں گے۔ (۸)

اسی طرح ایک دن کوئی مسلمان خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے پوچھا: تم کس مسلمان کی بیوی ہو؟ اس عورت نے جواب دیا فلان شخص۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہی جس کی آنکھ میں سفید ڈھیلا ہے؟ اس خاتون نے پریشانی کی حالت میں جواب دیا: نہ، ایسا نہیں ہے، میرے میاں کی آنکھ سالم اور تندرست ہے۔ آپ نے فرمایا: تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟ مگر کوئی ایسا بھی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو؟ (۹)

حوالہ جات:

(۱) (مکارم الاخلاق، طبرسی (نقل از : درس ہایی از زندگی پیامبر نور ورحمت، مہدی حائری تہرانی، قم: بنیاد فرہنگی امام مہدی (ع)، ص ۴۲)

(۲) (نہج الفصاحہ، حدیث ۱۶

(۳) (غرر الحکم ودرر الکلم، حدیث ۱۵۰۳.)

(۴) (وقایع الایام، ج ۳ ص ۶

(۵) (بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۹۵

(۶) (۱۰۰۱ داستان از زندگانی امام علی (ع)، اوحدی، ناشر سعید نوین، نقل از الخزائن، ملا احمد نراقی)

(۷) (بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۹۴.)

(۸) (ہمان، ص ۲۹۷)

(۹) (ہمان، ص ۲۹۶.

سیرت وفرامین رسول اکرم میں مسلمان

محمد سجاد شاکری

مقدمہ:

موجودہ عالمی، ملکی اور خاص طور پر علاقائی حالات کو مد نظر رکھ کر جب ہم امت مسلمہ کے باہمی تعلقات کے شیرازے کو بکھرتے دیکھتے ہیں تو بعنوان ایک مسلمان کے ہمیں بہت دکھ ہوتا ہے کہ وہ امت، کہ جسے خداوند عالم نے اپنے پیارے رسول کے ذریعے "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" (۱)

(مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں) کے جس رشتے میں جوڑا تھا۔ اور "وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعاً وَلا تَفَرَّقُوا " (۲)

(اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو) کے قانون کا پابند بنادیا تھا، آج اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا مارنے پر تلی ہوئی ہے۔ استعماری اور استکباری طاقتوں کی مسلمان کشی کی بات اپنی جگہ، یہاں خود مسلمانوں کی صفوں میں مسلمان کشی کا بازار بڑے آب و تاب کے ساتھ گرم ہے۔ اس موقع پر ذہنوں میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا وہ اسلام اب ہمارے درمیان نہیں رہا جسے محمد عربیؐ نے لایا تھا، جو رواداری، برابری، اور برادری کا درس دیتا تھا؟ یا ہم وہ مسلمان نہیں رہے جس کا خواب رسول اسلامؐ دیکھا کرتے تھے؟

اگر ہم اس دین، مکتب اور فکر کے بارے میں تھوڑا بہت بھی شک کریں جسے خداوند عالم نے اپنے رسول کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے تو خدا ہمیں نہ بخشے۔ کیونکہ وہ دین و مکتب آج کم سے کم قرآن مجید کی شکل میں ہمارے درمیان صحیح و سالم موجود ہے۔ پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں سوال کے دوسرے حصے کی طرف رخ کرتے ہوئے خود ہمارے اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے مسلمان ہونے کو ہی پرکھیں۔ مسلمان کی وہ کونسی صفات ہیں جنہیں ہم نے ترک کی ہوئی ہیں؟ اور ان کے بجائے ہم کن بری صفات کے مالک بن گئے ہیں؟ ان سوالات کے جوابات ہم خود اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسول کی احادیث سے ہی پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام اور سلامتی:

صحیح بخاری اور اصول کافی میں حضور اکرمؐ کی یہ حدیث ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔ (۳)

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان امن میں ہوں۔"

قارئین سے ہماری گزارش ہے کہ خدا کے لئے ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ آج آپ ملک کے کس علاقے کو مسلمان کشی اور ایک دوسرے کے خلاف کفر کی فتوے بازیوں سے پاک قرار دے سکتے ہیں؟ کیا یہ افراد، چاہے ان کا تعلق جس مکتب فکر اور مذہب سے ہو، پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث کی مخالفت نہیں کر رہے ہیں؟ کیا چند سازشی اور تنگ نظر افراد کے ہاتھوں پورے ملک کی سلامتی اور امن کو سبوتاژ نہیں کیا جارہا؟ کیا ہم اپنی ہی آستین میں موجود ان سانپوں سے اپنے آپ اور اپنے معاشرے کو بچانے کے لئے جذبات کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کی زحمت کرتے ہیں؟

مسلمان اور مسلمان کشی:

کیا کسی مسلمان کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے چند غیر منطقی افکار کی بنیاد پر کسی دوسرے مسلمان کو کافر اور مشرک ثابت کرکے معاشرے میں مسلمان کشی کی بدعت ایجاد کرے...؟ کیا قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ہماری نگاہ قرآن کی اس آیت پر نہیں ٹھہرتی؟ جہاں رب لایزال بیان فرمارہا ہے:

وَ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزاؤُهُ جَهَنَّمُ خالِداً فِيها وَ غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ وَ أَعَدَّ لَهُ عَذاباً عَظِيماً۔ (۴)

"اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور ایسے شخص کے لئے اس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

ممکن ہے کہ کوئی شخص اس آیت کی یہ کہہ کر توجیہ کردے کہ یہ آیت تو مومن کے قتل سے منع کررہی ہے لیکن جو منافق ہے، جس نے دل سے ایمان نہیں لایا، یا وہ شخص جو مشکل دیکھ کر مصلحتی جھوٹ بول رہا ہے، یا تقیہ کررہا ہے، اس کے قتل سے منع نہیں کررہی۔ تو میں یہاں ان کے سامنے اسی سے بعد والی آیت اور اس کے شان نزول کو پیش کرتا ہوں جسے تمام مکاتب فکر کے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ آیت اور اس کا شان نزول یہ ہے۔

وَلا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقى إِلَيْكُمُ السَّلامَ لَسْتَ مُؤْمِناً. (۵)

اور خبردار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے"

اس آیت کے نزول کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب حضور اکرمؐ غزوہ خیبر سے واپس پلٹے تو حضرت اسامہ بن زیدؓ کو فدک کی اطراف میں موجود چند یہودی بستیوں کی طرف بھیجا تاکہ ان کو اسلام کی طرف دعوت دے۔ انہی میں سے کسی بستی میں **مرادس بن نہیک فدکی** نامی کسی یہودی سے ان کا سامنا ہوا جب اس نے لشکر اسلام کی موجودگی کا احساس کیا تو دوسرے لوگوں کی

طرح مقابلہ پر اترنے کے بجائے اپنے مال واسباب اور بچوں کو جمع کیا اور پہاڑ کے دامن میں ہولیا۔ اور اسلام قبول کرتے ہوئے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ" کہا۔ لیکن اسامہ نے اس بات کا اعتناء کئے بغیر اسے قتل کر دیا۔ اور جب رسول اللہؐ کے پاس واپس پہنچے تو آپ کو اس بارے میں خبر دی تو حضورؐ نے اس سے کہا: تو نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس نے اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کی گواہی دی تھی۔ تو اسامہ نے جواب دیتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے تو یہ کلمہ قتل سے بچنے کے لئے کہا تھا۔ تو رسول اللہؐ فرمانے لگے: تو نے اس کے دل کا پردہ تو چاک نہیں کیا تھا؟ تو نے تو نہ اس کی زبان کے اقرار کو قبول کیا اور نہ ہی تو اس کے نفس کے باطن سے آگاہ تھا! اس کے بعد اسامہ نے قسم کھائی کہ وہ آج کے بعد سے خدا کی وحدانیت اور اللہ کے رسول کی رسالت کی گواہی دینے والے کسی شخص کو قتل نہیں کرے گا۔ اور اس وقت یہ آیت نازل ہو گئی تھی۔ (٦)

مسلمان اور ظلم و زیادتی:

جو ملک و معاشرہ اور جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں پر ظلم کرنے پر فخر کرے یا کسی مسلمان پر ظلم ہوتے دیکھ کر خوش ہو جائے تو اس کے اسلام کو آپ کس کھاتے میں ڈالیں گے؟ مجھے نہیں معلوم، لیکن میں تو اس اسلام کو اسلام ناب محمدی (خالص اسلام) میں شامل کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہوں گا۔ البتہ کسی عالمی استعماری واستکباری طاقت یا کسی مقامی استبدادی طاقت یا شیطانی فکر پر پلنے والے شخص کے اسلام کے طور پر شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتا۔ کیونکہ میرے پیارے نبیؐ نے مسلمان کی تعریف یوں کی ہے:

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَشْتِمُهُ. (٧)

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ ایک دوسرے پر نہ ظلم کرتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں" اور بعض دیگر احادیث میں "لَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْرِمُهُ، لایغشّه ولایغتابه ولایخونه"

(نہ ایک دوسرے کو بے یار و مددگار چھوڑتے، نہ محروم کرتے، نہ دھوکہ دیتے، نہ غیبت کرتے اور نہ ہی خیانت کرتے ہیں) جیسی عبارتیں موجود ہیں۔

مسلمان یدِ واحد:

اگر مسلمان اب بھی خدا اور اس کے رسولؐ کے پیغام کو سمجھیں اور اپنے مشترکہ دشمن کی طرف سے اپنے خلاف کی جانے والی سازشوں کے خطرے کو بھانپ لیں تو اب بھی ان کی عظمت رفتہ واپس آسکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے تنگ نظری، تعصب، فرقہ پرستی، قوم پرستی اور نسل پرستی جیسی لعنتوں سے نجات پانے اور دنیا کے شور و غل پر دھیان دینے کے بجائے حضور اکرمؐ کی اس پیاری حدیث پر لبیک کہنے کی ضرورت ہے جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسجد خیف میں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے بیان فرمائی:

اَلْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ تَتَكَافَى دِمَاؤُهُمْ۔ وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ يَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُم ۔ (۸)

"مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، سب کے خون کی ایک ہی حیثیت ہے، غیر مسلمانوں کے خلاف یہ ایک ہاتھ کی مانند ہیں اور اپنے سے کمزور اور چھوٹے لوگوں کی نسبت اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔"

پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث کو پڑھنے کے بعد سے میرے دل میں یہ شدید تمنا پیدا ہو گئی ہے کہ ایسی صفات کا حامل کسی مسلمان کو دیکھوں کہ وہ کس قسم کا ہوتا ہے؟ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آج ہمارے اس معاشرے میں ایسی صفات کے مالک شخصیات نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ آج بھی ان لوگوں کو ہوش آنا چاہئے جو پانی کی طرح اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہانے میں کوئی گناہ محسوس نہیں کرتے۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے سارے مسلمانوں کے خون کو ایک ہی جیسی حرمت و حیثیت دی ہے۔ حضور اکرمؐ خود اس مطلب کو یوں بیان فرماتے ہیں: اَلْمُؤْمِنُ حَرَامٌ كُلُّهُ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُه. (۹)

"مومن کی عزت و ناموس، مال ودولت اور خون سب کے سب قابل احترام ہیں"

پس ہمیں سوچنا چاہئے کہ اگر ہم اپنی ناموس، مال اور خون کی عزت و حرمت کو پسند کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کو تیار ہیں تو کیوں ہمیں دوسروں کی ناموس کی فکر نہیں ہوتی ؟ کیوں ہم دوسروں کے مال و دولت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں؟ اور کیوں دوسروں کے خون کے رائیگاں جانے پر خوش ہوتے ہیں ؟ بالآخر اسلام نے یہ بھی تو کہا ہے کہ آپ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔ پھر کیوں ہم قرآن کے ان سنہرے اصولوں کو پیروں تلے روند ڈالتے ہیں اور ان کی جگہ شیطانی افکار کو بسا کرامت مسلمہ کے جلتے آشیانے پر تیل چھڑکتے ہیں؟ ہمارے پیارے رسولؐ نے تو اس عمل کو ایمان سے جوڑتے ہوئے یوں فرمایا ہے: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیهِ مَا یُحِبُ لِنَفْسِه. (۱۰)

"تم میں سے کوئی بھی جو چیز اپنے لئے پسند کرے؛ لیکن اسے اپنے بھائی کے لئے پسند نہ کرے، اس کا ایمان کامل نہیں ہے"

مسلمان اور امورِ مسلمین :

خداوند عالم نے انسان کو اجتماعی اور سماجی مخلوق بنا کر بھیجا ہے تو کیا کوئی انسان یہ کہہ کر اپنے آپ کو دوسروں سے الگ رکھ سکتا ہے کہ میرے معاملات تو ٹھیک چل رہے ہیں کسی کے ساتھ کوئی مشکل ہے تو مجھے کیا...؟! کوئی ہمسایہ یہ کہہ کر تماشائی بنے رہ سکتا ہے کہ آگ تو دوسرے کے گھر میں لگی ہے میرے گھر میں تو نہیں...؟ اس صورت میں یہ آگ اس کے گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ لہٰذا عقل مندی یہی ہے کہ وہ اپنے ہمسایے کی مدد کو نکلے۔ اور ہمارے پیارے نبیؐ نے تو ایک مسلمان کے مسلمان باقی رہنے کو دوسرے مسلمانوں کے امور کی فکر کرنے اور ان کے امور کی اصلاح کرنے سے مشروط قرار دیا ہے: مَنْ أَصْبَحَ لَا یَهْتَمُ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِینَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ سَمِعَ رَجُلًا یُنَادِی یَا لَلْمُسْلِمِینَ فَلَمْ یُجِبْهُ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ. (۱۱)

"جو کوئی صبح کرے اور مسلمانوں کے امور کے بارے میں کوئی سوچ اور فکر بھی نہ کرے تو وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے اور جو کوئی مسلمانوں کی فریاد سنے اور اس کا جواب نہ دے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہے"

سوچنے کا مقام:

ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچئے کہ حقیقی مسلمان وہ شخص ہے جو مذکورہ بالا آیات اور احادیث پر کسی بھی صورت عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے یا وہ کہ جو اپنے مسلمان بھائی کی جان سے کھیلتا ہے، دوسرے مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف گندی زبان استعمال کرتا ہے...؟؟؟

حوالہ جات:

(۱) سورہ حجرات آیت ۱۰

(۲) سورہ آل عمران آیت ۱۰۳

(۳) اصول کافی ج ۲/ص ۲۳۴ طبع دار الکتب الاسلامیہ تہران۔ بحار الانوار، ج ۶۴ ص ۶۰ طبع بیروت۔ صحیح البخاری، ج ۱/ص ۱۰، کتاب الایمان، حدیث ۱۰

(۴) سورہ نساء آیت ۹۳

(۵) ایضاً آیت ۹۴

(۶) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۹۳۔ تفسیر قمی، ج ۱/ص ۱۴۸۔ صحیح البخاری، ج ۵/ص ۲۱۹، مذکورہ آیت کی تفسیر میں۔ الدر المنثور فی تفسیر الماثور، ج ۲/ص ۲۰۱

(۷) کشف الریبہ ص ۷۸ حدیث ثانی

(۸) بحار الانوار، ج ۴۷ ص ۳۲۳۲۳، ا۔ امالی طوسی، المجلس العاشر، ص ۲۶۳

(۹) بحار الانوار، ج ۷۴/ص ۱۶۲۔ کتاب المؤمن، ص ۲۷، سعید اہوازی۔

(۱۰) شرح فارسی شہاب الاخبار (کلمات قصار پیامبر خاتمؐ) ص ۳۴۶۔ منیۃ المرید، شہید ثانی، ص ۱۹۰۔ صحیح مسلم، ج ۲/ص ۱۶ طبع دار الکتب العربی بیروت۔

(۱۱) اصول کافی ج ۲/ص ۱۶۴۔ بحار الانوار، ج ۷۱/ص ۳۳۹، نوادر الراوندی ص ۲۱

پیغمبر اعظم ﷺ کی سیرت طیبہ اور وحدت

فدا حسین حلیمی

آنخضرتؐ کی سیرت طیبہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تمام کلمہ گو مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ اور واجب الاتباع ہے۔

اہل سنّت بھائیوں کے منابع سے پیغمبر اعظمؐ کی سیرت طیبہ اور وحدت :

یہاں ہم اختصار کی بنا پر صرف رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے وحدت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو جاے کہ انھوں نے وحدت کی راہ میں کیا کیا قربانیاں دی ہیں اور ہم جو ان کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں؛ وحدت کی راہ میں کیا قدم اٹھائے ہیں۔

آنخضرتؐ کی سیرت طیبہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تمام کلمہ گو مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ اور واجب الاتباع ہے۔ اگر آپ ان کی الٰہی سیرت اٹھا کر دیکھیں تو ان کی زندگی کے ہر قدم پر وحدت کے سینکڑوں نمونے نظر آتے ہیں جو نہ صرف ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے بلکہ تمام بشریت کے لئے تا قیام قیامت نمونہ عمل ہے۔آپ ﷺ کی پاک سیرت میں وحدت واتحاد کے ایسے انمول نمونے پائے جاتے ہیں جس کی مثال سابقہ امتوں میں نہیں ملتی۔

حد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے فوراً بعد چند اہم اور بنیادی اقدامات انجام دیے، ان میں سے ایک قدم مختلف گروہوں، امتوں اور قوموں کے درمیان وحدت اور اتحاد و اتفاق ایجاد کرنا تھا جو اپنی جگہ بے سابقہ ہے ہم یہاں چند نمونے ذکر کرتے ہیں۔

۱۔امت واحدہ کی تشکیل میں تاریخی دستاویز:

اسلام کا نورانی پیام مدینہ آنے کے بعد اس شہر میں مختلف مکاتب سے وابستہ لوگ بسنے لگے تھے۔ نو مسلموں کے ساتھ ساتھ یہودی بھی چند قوموں کی شکل میں رہتے تھے۔ بت پرست اور مشرک اقوام بھی آباد تھیں۔جب سرور کائنات مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہ احساس کیا کہ اس شہر کی اجتماعی زندگی ٹھیک نہیں ہے، نا منظّم ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، مختلف قبیلوں کے درمیان سخت قسم کے اختلافات اور تنازعے پائے جاتے ہیں؛ سب سے بڑے دو قبیلے اوس وخزرج کے درمیان دیرینہ خونی دشمنی پائی جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں؛ اب اس حالت میں ہر لحہ ممکن تھا کہ کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ میں رہنے والے تمام گروہوں کے درمیان باہمی تعاون اور یکجہتی کی وہ عظیم دستاویز پیش کی جو بعد میں اسلام کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی دستاویز کہلائی؛ اور مورخین کے مطابق یہ قرارداد آپ ﷺ نے اپنے پہلے خطبے کے فوراً بعد پاس کی۔

رسالت مآب ﷺ نے اس قرار داد میں مدینہ شہر میں رہنے والے مختلف گروہوں کے حقوق معین کے ا اور یہ قرارداد مسالمت آمیز زندگی گزارنے اور ہر طرح کے ہنگامے اور اختلافات کے جنم لینے اور ان کے درمیان نظم وعدالت کو برقرار رکھنے کی ضامن بنی۔اس تاریخی قرارداد کے چند اہم نکات یہ تھے:

(۱) مسلمان اور یہود ایک امت ہیں

(۲) مسلمان اور یہود اپنے دین کی پیروی میں آزاد ہیں

(۳) اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ سب مل کر شہر مدینہ کا دفاع کریں

(۴) مدینہ ایک مقدس شہر ہے جس میں ہر طرح کا خون خرابہ حرام ہو گا

(۵) اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں حل وفصل کرنے والے محمد ﷺ ہوں گے۔ اس قرارداد کی تفصیلات اس طرح بیان کر سکتے ہیں۔

اس تاریخی قرارداد سے دو اہم نکتے ہمارے ذہن میں آتے ہیں جو کسی قوم یا جماعت کے درمیان اتحاد برقرار رکھنے اور یکجہتی پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

(۱) مذہبی آزادی: امت مسلمہ کے درمیان اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کے لئے اہم ترین چیز مذہبی آزادی ہے خواہ اسلامی فرقوں کے درمیان ہو یا اس سے بھی زیادہ وسیع سطح پر مختلف ادیان کے درمیان ہو کہ جس کا خوبصورت ترین نمونہ پیغمبر اکرم ؐ کی سیرت طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔

چونکہ ایک دین میں مختلف فکری مذاہب، شریعت کے فکری اور عملی احکام میں علماء کے اجتہادات اور قرآن وسنت سے استنباط کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں کہ جس کی ہم سب اجازت دیتے ہیں، اب اس صورت میں ایک مسلمان کو کامل طور پر یہ اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی سے ان اسلامی فرقوں اور مذاہب میں سے اپنی نظر میں جو سب سے افضل ہو اور بروز قیامت پروردگار عالم کے حضور میں جواب گو ہو؛ اسی مذہب کی پیروی کرے اور کسی کو یہ حق نہیں ہو گا کہ اسے کسی خاص مذہب کے انتخاب پر برا بھلا کہے یا اس کی مذمت کرے؛ اسی طرح کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو کسی خاص مذہب کے انتخاب پر مجبور کرے چونکہ مذہب کا انتخاب ایمان اور قلبی اطمینان کے حصول کے ساتھ وابستہ ہے جو صرف اور صرف حجت اور دلیل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اور اسی طرح ہر مذہب کو اپنی آراء و نظریات خواہ عقیدتی میدان میں ہو یا فقہی اور عملی میدان میں ؛ پیش کرنے اور اس پر دلیل قائم کرنے کا پورا حق حاصل ہے اور یہ اس وقت تک مطلوب ہے جب تک بے فائدہ جدل ودشمنی اور ایک دوسرے کی اہانت کی سبب نہ بنے۔

(۲) قومی انسجام : پہلے بھی عرض کیا کہ وحدت انسانیت اور اسلامیت کی بقاء کا ضامن ہے یہ کسی خاص قوم یا کسی خاص زمان ومکان تک محدود نہیں بلکہ انسانی معاشرے کی بقاء کے لئے ایک دائمی اصل ہے۔ جس طرح اسلام اور مسلمانوں کی بقاء وتحفظ اور ترقی وتمدن کے لئے اسلامی اتحاد کی ضرورت ہے، اسی طرح کسی قوم وملک کی بقاء کے لئے اسکی ترقی وتمدن کے لئے بھی اس ملک کے اندر بسنے والے مختلف گروہوں قوموں اور مختلف طبقات اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان قومی اور ملی انسجام واتحاد شہ رگ کی مانند ہے۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ استعماری اور طاغوتی ایجنڈے اسلامی مالک میں نہ صرف مسلم فرقوں ، گروہوں کو آپس میں لڑوانے کے پیچھے ہیں بلکہ مختلف قوموں اور نژادوں کو قومیت اور نژادیت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے جدا کرکے ایک دوسرے کے مقابلے میں لانے کی بھرپور کوشش میں ہیں۔

چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی اسی اہم نکتے کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک معاشرتی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے سے پہلے ہی مدینہ شہر کے رہنے والے مختلف مکاتب فکر سے وابستہ لوگوں کے درمیان قومی اور ملی اتحاد واتفاق کی قرارداد پاس کی کہ جس عہد نامے میں مسلمانوں اور یہودیوں کو ایک ملت قرار دیا گیا، ان سب کی جان ومال کو محترم شمار کیا گیا اور سب پر مدینہ شہر کے دفاع کی ذمہ داری ڈالی گئی اس طرح مدینہ کی اجتماعی زندگی میں رونق آ گئی اور سب کے حقوق محفوظ ہو گئے۔

۲۔ انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کا معاہدہ:

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد اتحاد کی راہ میں جو دوسرا قدم اٹھایا وہ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور بھائی چارگی برقرار کرنا تھا۔

چونکہ اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں دو بڑے گروہوں میں پیشہ اور نسل کے لحاظ میں تفاوت کے سبب کشمکش پائی جاتی تھی؛ کیونکہ انصار جنوب عرب (یمن) سے ہجرت کرکے آئے تھے اور نسب کے اعتبار سے ان کا تعلق قحطان سے تھا جبکہ مہاجرین شمالی حصے سے آئے تھے اور ان کا تعلق عدنانی نسل سے تھا اور دوسری طرف انصار کا مشغلہ کاشتکاری و باغبانی تھا؛ جبکہ مہاجرین اور اہل مکہ تجارت کرتے تھے اور کاشکاری کو ایک پست پیشہ سمجھتے تھے؛ اس سے قطع نظر یہ دونوں گروہ الگ ماحول کے پروردہ تھے؛ لیکن اب نوراسلام کی بدولت آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے (۲)

لیکن ان دونوں گروہوں میں گزشتہ افکار و خیالات اور کلچر کے اثرات ابھی بھی بعض لوگوں کے ذہنوں میں رہ گئے تھے اور ہر لحظہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قدیمی عصبیت بھڑک نہ اٹھے ،اب ان اختلافات کے ہوتے ہوئے ایک عالم گیر الٰہی حکومت کی بنیاد ڈالنا ناممکن تھا اور مکتب اسلام کو دوسرے مکاتب فکر اور مشرکین کے مقابلے میں مضبوط بنانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حکمت بالغہ سے ان کے درمیان (تآخوافی اللہ اخوین) کا نعرہ بلند کرکے اخوت اور بھائی چارگی کا رشتہ برقرار کیا اور ہر مہاجر و انصار میں سے ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا اور علی علیہ السلام کو اپنا بھائی بنایا اور فرمایا:

انت اخی فی الدنیا والآخرۃ... (۳)

جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے درمیان اخوت و برادری اور وحدت ویکجہتی کی ایک نئی لہر دوڑ اٹھی ایک دوسرے کے درمیان سالہا سال پرانی دشمنی دوستی اور اخوت میں تبدیل ہو گئی کہ جس کی کوئی نظیر سابقہ امتوں میں نہیں ملتی۔

اتحاد و وحدت کی راہ میں اس جیسے سینکڑوں نمونے آپ ﷺ کی بابرکت زندگی میں دیکھنے میں آتے ہیں اور آپؐ اپنے آخری دم تک لوگوں کو اتفاق و وحدت کے ساتھ زندگی گزارنے کی دعوت دیتے رہے اور فرمایا کرتے تھے

ایھا الناس علکمت بالجماعۃ وایاکم والفرقۃ (۴)

لوگو! خبردار تفرقہ بازی اور گروہ بندی سے بچو اور ہمیشہ متحد ہوکے رہو، اسی طرح کسی اور مقام پر آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کون ایسا عقلمند ہے جو اتحاد اور انسجام کی ضرورت کا احساس نہ کرے؟ لیکن اسکے باوجود یہ سننے میں آتا ہے کہ بعض تنگ نظر جاہل و مقدس مآب اور متعصب افراد مختلف اسلامی فرقوں اور گروہوں کے درمیان وحدت برقرار کرنے کو پسند نہیں کرتے اور کھلم کھلا وحدت کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں یقینا اس کی علت سیرت رسول اعظم ؐ سے لاعلمی و دوری اور اپنے من گھڑت عقائد وافکار پر اصرار کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

خدایا! ہم سب کو سرور کائنات کی سیرت طیبہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما آمین!

حوالہ جات:

(۱)۔ابن ہشام: السیرۃ النبوی: ج ۲ ص ۱۴۷-۱۵۰ مطبع المصطفیٰ الباقی قاہرہ۔

(۲)۔ابن ہشام: السیرہ النبویۃ؛ ج ۲ ص ۱۵۰ اور مجلسی: بحار الانوار ج ۱۹ ص۔

(۳)۔ ابن ہشام، ص ۱۳۰۔: السیرہ النبویۃ؛ ج ۲ ص ۱۵۰ اور عسقلانی: الاصابۃ؛ ج ۲ ص ۵۰۷ طبع بیروت دار االتراث العربی ۱۳۲۸ق. بحار الانوار ج: ۸ ص: ا۔

(۴)۔ محمد تقی ہندی: کنز العمال؛ ج ا ص ۲۰۶ حدیث نمبر ۱۰۲۸۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسوہ بشریت

فدا حسین حیدری

مقدمہ :

کسی بھی معاشرے کی اصلاح کے لئے کوئی نہ کوئی نمونہ کا ہونا فطری امور میں سے ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ نمونہ کون اور کیسا ہونا چاہیے ؟ہر عام انسان کی زندگی دوسرے کے لئے نمونہ نہیں بن سکتی ہے لہذا خداوند متعال نے انسان کو بہت سے نمونہ عطاء کیا ہے۔ان میں سے بہترین وافضل وکامل ترین نمونہ پیغمبر گرامی اسلامؐ ہے جو پورے عالم بشریت کے لئے اسوہ ہے۔ وہ معاشرہ جو ہر اعتبار سے پسماندہ تھا آپ نے اس کو ایسے مقام پر لا کر رکھ دیا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے کیسے عرب معاشرے کی اصلاح کی ؟ادعوت کا طریقہ کار کیا تھا ؟اس کی طرف ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے، رسول اللہ کی زندگی کو سمجھنے کے لئے پہلے ہمیں عرب معاشرہ،لوگوں کی ثقافت ، فکر اور اخلاق سے آشنائی ہونالازم ہے۔ تاکہ رسول اللہ صلی کی زندگی ہمارے لئے کی اسوہ بن سکے۔

جاہلیت کا زمانہ:

عرب معاشرے کو دور جاہلیت سے جانا جاتا ہے۔ اسکے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے کہ کس زمان کو کہتے ہیں۔ جاہلیت کا ریشہ مادہ جھل سے لیا گیا ہے اسکا معنی ہے نادانی یعنی نہ جاننا کسی چیز کو۔ یہ لفظ قرآن مجید میں (۴) مرتبہ آیا ہے مجموعی طور پر ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ لفظ علم کے مقابلے میں بھی ہے اور حق کے مقابلے میں بھی۔ دونوں کی طرف اشارہ ہے۔۔

زمان کے لحاظ سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کہتے ہیں اسلام سے پہلے و دور کو جاہلیت کہتے ہیں، بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ کے درمیانی زمان کو جالہیت کا دور کہتے ہیں۔۔

دور جاہلیت کی خصوصیت:

دور جاہلیت کی جو صفات جو تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ درجہ ذیل صفات پر مشتمل تھے:

عقائد کے لحاظ سے بت پرست اور مشرک تھے

اخلاقی اعتبار سے دنیا طلبی، لہو ولعب، ظلم اور خرافات میں غرق تھے۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے۔ علم سے دور تھے۔

جاہلیت کا مقصد:

جاہلیت اس زمان کو کہتے ہیں کہ جس زمانے میں لوگ عقیدہ، قانون، اخلاق سے خالی تھے، یعنی عقلانیت و علم حاکم نہیں تھا۔ جہالت انتہائی درجے پر تھے بت پرستی، شرک و کفر، تعصب میں غرق تھے حق معیار نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے کو عصر جاہلیت سے تعبیر کیا گیا ہے قرآن

مجید میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر ان کو آسمان اور زمین کی خلقت کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے خلق کیا ہے لیکن عبادت بتوں کی کرتے ہیں یعنی حق کو جانتے ہوے بھی نہیں مانتے ہیں اسی وجہ سے دور جاہلیت کہا جاتا ہے دشمنی کرنے میں بھی انتہائی درجے پر تھے۔ حق بات سننے کو بھی تیار نہیں تھے ایسے بگڑے ہوئے معاشرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے مختصر عرصے میں راہ راست پر لایا۔اچھے معاشرے میں تبدیل کیا یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے کردار، حسن سلوک، بصیرت اور مدیریت کی وجہ سے ممکن ہوا۔

پیغمبر کی دعوت کا طریقہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ عمل ہےاس بارے میں بھی قرآن مجید میں متعدد آیات اشارہ کرتی ہیں

۱۔طریقہ کار:

رسول اکرمؐ نے سب سے پہلے لوگوں کو دعوت دینے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا وہ آپ کا کردار و گفتار ہےآپ معاشرے میں اس طرح گھل مل کے رہے کہ لوگ آپ کو صادق وامین کہنے پر مجبور ہوئےلوگوں کا مکمل طور پر اعتماد حاصل کیا۔۔

۲۔اخلاق پیغمبر:

تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے کہ دین اسلام کی پیشرفت اور پھیلاؤ میں کی ایک وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کا اخلاق تھاجس کے بارے میں قرآن مجید میں بھی خداوند متعال فرماتا ہے کہ آپ اخلاق اعلیٰ درجے پر فائز ہے: انك لعلى خلق عظيم اور خود رسول اکرم نے بھی فرمایا کہ: مجھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔۔

۳مدیریت پیغمبر:

آگر ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ دین اسلام کی پیشرفت اور ترقی میں سب سے زیادہ موثر عامل رسول اکرم صلی کی مدیریت ہے اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت اللہ مکارم شیرازی فرماتے ہیں کہ:

ہم تمام کامیابی پیغمبر گرامی ص اور دیگر انبیاء کو معجزہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی اشتباہ ہے ، اسلام کی پیشرفت اور ترقی میں اصل محور، مدیریت پیغمبر گرامی اسلام ہے ،مدیریت کی وجہ سے مختصر عرصے میں عرب معاشرے میں تبدیلی آگئی۔

پیغمبر گرامی اسلام: کی مدیریت کے چند نمونے۔

ا۔ فکری مدیریت:

مکی زندگی میں یعنی قبل از ہجرت رسول اکرم صلی نے مخفیانہ طور پر تبلیغ کرکے فکری اصلاح کی کیونکہ فکری تبدیلی مقدمہ ہے اسی لئے سب سے پہلے رسول اکرم صلی نے فکری اصلاحکاکام انجام دیا۔ فکری طور پر اعتماد حاصل کرنے کے بعد عمل کی طرف دعوت دیاہے پورے دوسال مکہ میں اور تین سال شعبِ ابی طالب انکے ذہنوں تک اسلام کی حقانیت اور دین حق پہنچاتے رہے جب فکر میں اسلام رسوخ ہوجائے تو کبھی بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے ایماں لانے والوں نے ہزار زحمتیں اٹھانے کے باوجود دین کو نہیں چھوڑا۔ کیونکہ دین اسلام کی حقانیت انکے ذہنوں میں محکم وراسخ ہوچکے تھے۔

۲۔ سیاسی وثقافتی مدیریت:

جب رسول اکرم صلی نے اعلانیہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ شروع کی اس وقت دشمن بھی اعلانیہ طور پر آپ کو ہر قسم کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیے۔ پیغمبر کے دشمن یعنی کفار مکہ میں دو قسم کی

صفات موجود تھی ایک جاہلیت کی انتہا اور قبائلی تعصب میں بھی انتہائی درجہ پر تھا۔ تمام قبائل نے میٹنگ کی کہ کیسے پیغمبر کی تبلیغ کو روکا جائے۔

آخر میں تین ایجنڈے پر زیر غور کرنے لگے۔

یا رسول اکرم کو زنداں میں ڈال دیں یا مکہ سے باہر نکال دیں یا سب مل کر قتل کر دیں۔
آخر میں سب رسول اللہ کو قتل کرنے پر متفق ہوئے وہ بھی آخر میں ناکام ہوئے۔

اور رسول اکرم صلی کے علاوہ ایمان لانے والوں کو بھی طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے ، لیکن جتنی مشکلات کھڑی کرتے اتنا ہی اسلام قبول کرنے والوں میں اضافہ ہوتے جاتے تھے جب کفار مکہ کی جانب سے مسلمانوں پر ظلم حد سے بڑھ گئے تو رسول اکرم صلی نے مسلمانوں کی جان بچانے کی خاطر حکم دیا، کہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے، تا کہ کفار مکہ کے شر سے محفوظ رہے اور مدینہ کی فضا بھی مسلمانوں کے لئے مناسب تھا اور مدینہ منورہ میں کچھ لوگ آپ پر پہلے سے ایمان لا چکے تھے۔ آہستہ آہستہ مسلمان وہاں جمع ہونے لگے ، اور مسلمانوں کے لئے مرکزیت اور حکومت کی تشکیل کے لئے زمینہ سازی فراہم ہوا، لہٰذا رسول اکرم نے ہجرت کا حکم دیا جس کے نتیجے میں آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ یہ سب کچھ آپ ص کی مدیریت کی وجہ سے مختصر عرصے میں بہت سی تبدیلیاں وجود میں لے آنے میں کامیاب ہوئے۔

منابع :

۱۔ القرآن۔
۲۔ بلوغ الرب فی معرفہ الحوال ج ۱ ص ۱۵
۳۔ مجمع البیان ج ۸ ص ۱۵۲
۴۔ مجموعہ مقالات ج ۱ ص ۱۰۹۔
۵۔ فرہنگ زمانہ ج ۴ ص ۴۶

رسول خداؐ کی زندگی پر ایک نظر

علی احمد بہشتی
جامعۃ المصطفیٰ العالمیۃ۔ مشہد

ولادت باسعادت رسول اللہؐ :

اکثر محدثین اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت محمد کی ولادت باسعادت عام الفیل میں یعنی نزول وحی سے چالیس سال قبل ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔ لیکن یوم پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے۔ شیعہ محدثین و دانشوروں کی رائے میں آپ کی ولادت ١٧ ربیع الاول کو ہوئی اور اہلسنّت کے مورخین نے آپ کا روز ولادت ١٢ ربیع الاول تسلیم کیا ہے۔

رسولِ خدا نے اس دنیا میں اس وقت آنکھ کھولی جب آپکے والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، اسی لئے ایک قول کے مطابق رسولِ خدا کی تربیت بچپن سے ہی آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی زیر سرپرستی ہوئی۔

اخلاق رسولؐ خدا:

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت کو اخلاقیت کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس کی گواہی، باری تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں (وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ) (١)

اور آپ یقینا عظیم اخلاقی خوبیوں کے تخت پر ہیں۔

ایک جگہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اخلاقیت کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہے۔

(إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)۔(۲)

مجھے تو اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ میں نیک خصلتوں اور مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

رسول اللہؐ کے طرز سلوک اور صفات کے بیان میں منقول ہے کہ آپ اکثراً خاموش رہتے تھے اور ضرورت سے زیادہ نہیں بولتے تھے۔ کبھی بھی پورا منہ نہیں کھولتے تھے، زیادہ تر تبسم فرماتے تھے اور کبھی بھی اونچی آواز میں (قہقہہ لگا کر) نہیں ہنستے تھے، جب کسی کی طرف رخ کرنا چاہتے تو اپنے پورے جسم کے ساتھ اس کی طرف پلٹتے تھے۔ صفائی، نظافت اور خوشبو کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ کہیں سے گذرتے تو فضا میں خوشبو پھیل جاتی تھی۔ اور راہگیر خوشبو محسوس کرکے سمجھتے تھے کہ آپ یہاں سے گذرے ہیں۔ انتہائی سادہ زندگی گذارتے تھے، زمین پر بیٹھتے تھے اور زمین پر ہی بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے، کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور بہت سے مواقع پر خاص طور پر جب آپ ابتدا میں مدینہ تشریف فرما ہوئے تھے اکثر بھوکے رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کے باوجود راہبوں کی طرح زندگی نہیں گذارتے تھے اور خود بھی فرماتے تھے کہ "میں نے اپنی حد تک دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور روزہ بھی رکھا ہے اور عبادت بھی کی ہے"۔ مسلمانوں حتاکہ دیگر ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ بھی آپ کا طرز سلوک شفقت، کرامت و درگذر اور مہربانی پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ کی سیرت اور روشِ حیات مسلمانوں کو اس قدر پسند تھی کہ وہ آپ کی حیات کریمہ کے نہایت چھوٹے چھوٹے واقعات کو سینہ بہ سینہ منتقل کیا کرتے تھے اور آج تک مسلمان ان نکات کو اپنے دین اور زندگی کے لئے مشعل راہ کے طور پر بروئے کار لاتے ہیں۔

مقام علمیت رسولؐ خدا:

خدا نے پیغمبر خداؐ کو دنیا میں پہلا استاد بنا کر بھیجا۔ کیونکہ وہ کسی بھی دوسرے انسان سے سب کچھ بہتر جانتا تھا۔جب قرآن مجید نازل ہوئی تو رسول خدا کو کون سی آیات کس لئے، کہاں نازل ہوئی،اوران آیات کی شان نزول سبب نزول کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے وقت کے لوگوں کے لئے قرآن کی دینی تعلیمات کے اظہار کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ مسلمانوں نے حضرت محمد سے کوئی بھی سوال پوچھا، چاہئے وہ قرآن کے بارے میں ہو یا دیگر سوالات،تو رسول خدا کبھی بھی جواب دینے میں ناکام نہیں ہوئے۔رسول خدا سے جب کوئی کسی بھی قسم کے سوال کرتے تھے تو رسول خدا انھیں فوراً جواب دیتے تھے۔رسول خدا فرماتے ہیں۔

أنَا مَدِينَةُ العِلمِ وعَلِيٌّ بابُها، فَمَن أرادَ العِلمَ فَليَأتِ البابَ.

"میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہے اگر کوئی اس شہر میں داخل ہو چاہتے ہوں تو دروازے سے داخل ہو" (۳)

رسول خدا کی عبادی زندگی:

امین قریش نے اپنی زندگی کے تقریباً چالیس سال، ان سختیوں اور محرومیوں کے باوجود جو ہمیشہ دامنگیر رہیں، نہایت صداقت، شرافت، نجابت، کردار کی درستی اور پاکدامنی کے ساتھ گزارے۔آپ نے اس عرصے میں خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی، عبادت اور معرفت خداوندی کو ہر چیز پر ترجیح دی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ ہر سال کچھ عرصہ جبل نور اور "غارِ حراء" میں تنہا رہ کر عبادت خداوند میں گزارتے تھے۔

جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

(وَلَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِي كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءَ فَأَرَاهُ، وَلَا يَرَاهُ غَيْرِي. (۴)

''رسول خدا ہر سال کچھ عرصے کے لئے غار حراء میں قیام فرماتے، اس وقت میں ہی انہیں دیکھتا میرے علاوہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا''۔

پیغمبر اکرم کے آباء واجداد سب ہی موحد تھے اور سب ان آلودگیوں سے محفوظ تھے جن میں پوری قوم ڈوبی ہوئی تھی۔

اس بارے میں علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

شیعہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول خدا کے والدین، آباؤ اجداد مسلمان ہی نہیں بلکہ سب ہی صدیقین تھے۔ وہ یا تو نبی مرسل تھے یا معصوم اوصیاء۔ ان میں سے بعض تقیہ کی وجہ سے یا مذہبی مصلحتوں کی بناء پر اپنے دین اسلام کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

رسول خدا کی عملی زندگی:

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع اور انکساری کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتے تھے، اپنا وزن اپنے بائیں پہلو پر ڈالتے تھے اور کھانا کھاتے وقت کسی چیز سے ٹیک نہیں لگاتے تھے، اللہ کے نام سے شروع کرتے اور لقموں کے درمیان بھی اللہ کو یاد کرتے اور اس کا شکریہ ادا کرتے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھنے کے لئے کسی مخصوص جگہ کا انتخاب نہیں کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے تو جب تک سامنے والا اپنا ہاتھ پیچھے نہ کرلے آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے پیچھے نہیں کھینچتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا لباس خود سیتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود ٹانکتے تھے، اپنی گوسفند کو خود دوتے تھے غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، زمین پر بیٹھتے تھے اور گدھے پر سوار ہوتے تھے۔ اور بازار جانے سے شرم نہیں کرتے تھے خود گھر میں ضرورت بھر کی چیزوں کو خرید کر لاتے تھے۔ ہر کسی کے ساتھ ہاتھ ملاتے تھے۔ آپ کا چہرہ خشاش بشاش ہوتا تھا

اور آپ کا رنج و غم غصہ کے ساتھ آمیختہ نہیں تھا۔ تواضع وانکساری میں ذلت و رسوائی نہیں تھی، آپ بخشش کرنے والے اور مہربان دل انسان تھے، سب مسلمانوں کے ساتھ مہربانی کرتے تھے۔ کبھی بھی دستر خوان سے سیر ہو کر نہیں اٹھتے تھے اور کسی چیز کی طرف طمع کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔

رسول خدا کی فکری زندگی:

حضور سرور کائناتؐ ہمیشہ فکر میں ڈوبے رہتے تھے اور کبھی آپکو بے فکر نہیں دیکھا گیا۔ آپکی صفات میں ملتا ہے کہ آپکو کبھی آسانی و راحت میسر نہ تھی اس لئے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچا کرتے، خاموش رہتے اور فکر میں مشغول رہتے تھے اس طرح کہ لوگ آپ کو دائم الفکر شخصیت کے حیثیت سے پہچانتے تھے۔ آپکی زندگی کے نشیب و فراز پر نظر ڈال کر ہر انسان یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ آپ کس قدر فکر و تعقل کے ساتھ اپنے امور کو انجام دیتے تھے، یہ آپکی فکر رسا اور آپکے دور اندیشانہ طرز تبلیغ کے سبب ہی ممکن ہو سکا کہ وہ لوگ جو جہالت کی آگ میں جھلس رہے ہوں، اپنے اوپر فخر کرنے کو باعث عزت سمجھتے ہوں، قتل و غارت گری پر افتخار کرتے ہوں، وہ لوگ جنکے پاس خرافات کے سوا کچھ نہ تھا نہ سوچ تھی نہ فکر، ایسے لوگوں نے آپ کی فکر کو بھی تسلیم کیا آپ کی باتوں کو بھی مانا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر ہی کا کمال تھا کہ کل کے جاہل دنیا میں عدالت و انصاف کے پرچم دار قرار پائے۔ آپ نے اپنے دین کو پہنچانے سے پہلے بھی لوگوں کو فکر و تعقل کی دعوت دی اور اس کے بعد بھی دینداری کے معیار کو فکر و تعقل قرار دیا۔ (٦)

رسول اکرم کی سیاسی زندگی:

جب رسول خدا کو مبعوث کیا گیا تو اس وقت دنیا تاریکی، جہالت، ابتری و ذلت کے انتہائی پر آشوب دور سے گزر رہی تھی۔ یونانی فلسفہ اپنی ناپائیدار اقدار کا ماتم کر رہا تھا، رومی سلطنت روبہ زوال تھی، ایران اور چین اپنی اپنی ثقافت و تہذیب کو خانہ جنگی کے ہاتھوں رسوا ہوتا دیکھ رہے تھے۔ ہندوستان میں آریہ قبائل اور گوتم بدھ کی تحریک آخری ہچکیاں لے رہی تھی۔ ترکستان اور حبشہ میں بھی ساری دنیا کی طرح اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا اور عرب کی حالت زار تو اس سے بھی دگرگوں تھی۔ سیاسی تہذیب و تمدن کا تو شعور ہی نہ تھا عرب وحدت مرکزیت سے آشنا نہیں تھے، وہاں ہمیشہ لاقانونیت، باہمی جنگ و جدل کا دور دورہ رہا۔ اتحاد، تنظیم، قومیت کا شعور حکم واطاعت وغیرہ جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی راہیں استوار ہوتی ہیں ان کے ہاں کہیں بھی نہ پائی جاتی تھیں۔ قبائل بھی اپنے اندرونی خلفشار کے ہاتھوں تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھے۔ سیاسی وحدت یا بیرونی تہذیبوں سے آشنائی و رابطہ دور کی بات تھی۔۔ نبی پاکؐ کی الہامی تعلیمات سے عرب ایک رشتہ وحدت میں پرو دیئے گئے اور وہ قوم جو باہمی جنگ و جدل، ظلم و زیادتی کے علاوہ کسی تہذیب سے آشنا نہ تھی جہاں بانی کے مرتبے پر فائز کر دی گئی یہ سب اس بناء پر تھا کہ اسلام نے دنیاوی بادشاہت کے برعکس حاکمیت اقتدار اعلیٰ کا ایک نیا تصور پیش کیا۔ حضور اکرم کی سیاسی نظام کے پیروی کے بعد دنیا کے سیاسی نظام میں، پرانے وقتوں سے آسمان و زمین کا فرق آیا ہیں۔(۷)

حوالہ جات:

۱۔سورہ قلم آیت. ۴	۲۔مکارم الاخلاق۔ص۔۸
۳۔تاریخ پیغمبر۔ص۔۴۲	۴۔تاریخ تحلیلی صدر اسلام۔ص۔۵۶
۵۔بحار الانور جلد ۱۵۔ص۔۱۱۷	۷-۶۔تاریخ چہاردہ معصومین۔ص۔۴۶-۴۸

نبی اکرم ﷺ کا صبر

عبدالحمید منتظر
com_muntaziir1586@gmail

آغازِ خلقتِ بشریت سے آج تک تک انسان نے ہر مشکل کا مقابلہ صبر سے کیا ہے۔ تاریخِ بشریت میں کوئی بھی شخصیت صبر کے بغیر کامیاب نہیں ہوئی۔ تاہم بعض شخصیات کے صبر کی داستانیں اپنی مثال آپ ہیں۔انہی شخصیات میں سے کچھ لوگ اتنے عظیم بھی گزرے ہیں کہ جو اپنے صبر کے باعث دوسروں کے لئے اسوہ حسنہ بن گئے ہیں۔اب ہم صبر سے مختصر آشنائی کے لئے کچھ معانی کو ذکر کرتے ہیں۔

صبر کے معانی:

صبر یعنی اطمینان قلبی و ثبات نفس، صبر یعنی تمام تر مشکلات میں ثابت قدم رہنا، صبر یعنی اپنی خواہشاتِ نفس پر قابو پالینا، صبر یعنی ناگوار حوادث میں مطمئن ہو کر خدا پہ یقین کامل رکھنا، صبر یعنی تمام تر خواہشاتِ نفسانی سے بچتے ہوئے فقط مقصد تخلیق پہ عمل کرنا، صبر یعنی اطاعت خداوندی و عبادت الہی، صبر یعنی غیر متزلزل ایمان۔صبر اگر جنگ میں ہے تو شجاعت، صبر درمقابل گناہ ہے تو تقوا، صبر دنیا کے مقابل ہے تو زہد، صبر اگر ہوائے نفسانی کے مدمقابل ہے تو

عفت، صبر اگر عبادت میں ہے تو اطاعت اور ذکر خدا۔ المختصر یہ کہ صبر تمام تر کمالات کی ماں ہے اور تمام تر کمالات کا باپ ہے۔

اصطلاح میں صبر:

قرآن کریم میں کلمہ صبر کو ۱۰۴ بار تکرار کیا گیا ہے اور جو مرکز و محور صبر ہے وہ نبی پاک ﷺ کی ذات ہے۔ امام جعفر صادق ع فرماتے ہیں:

الصبر من الایمان بمنزلة الرأس من الجسد، فاذا ذهب الراس، ذهب الجسد، و كذلك اذا ذهب الصبر، ذهب الایمان

صبر کی ایمان سے وہی نسبت ہے جو نسبت بدن کی سر سے ہے، اگر سر بدن سے گیا تو بدن کا جانا یقینی ہے، اور اسی طرح اگر صبر گیا تو ایمان کا جانا یقینی ہے۔ [۱] نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں: الصبر نصف الایمان، صبر آدھا ایمان ہے۔ [۲]

صبر کی اقسام:

صبر کی مجموعی طور پر تین اقسام ہیں: ۱۔ مصیبت میں صبر ۲۔ اطاعت پہ صبر ۳۔ معصیت سے صبر۔

حضور ﷺ کا صبر:

دنیا میں نبی پاک ﷺ سے زیادہ کوئی صابر نہیں اور خود نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے صبر کے معدن کے طور پر مبعوث کیا گیا۔ [۳] تمام انبیاء و اولیاء کی تاریخ پہ نگاہ کی جائے تو تمام امتوں پہ عذاب الہی نازل ہوئے ہیں لیکن یہ نبی پاکؐ کے صبر کا نتیجہ ہے کہ خداوند متعال کا ارشاد ہے: ما کان اللہ لیعذّبھم و انت فیھم (انفال ۳۳)

جن کے درمیان نبی اکرم ص کی شخصیت ہے ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔ یعنی نبی پاک ﷺ کا صبر ہے جو امت کو عذاب سے اپنی پناہ میں لئے ہوئے تھا۔ ماضی میں اگر کسی نبی کو اس کی امت نے زیادہ تکلیفیں دیں تو انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی امت کے لئے عذاب کا تقاضا کیا لیکن نبی پاک ﷺ کے صبر کا یہ عالم ہے کہ

نبی پاک ﷺ اذیتیں دینے والوں کی مشکلات میں مدد کیا کرتے اور بیماری کی صورت میں ان کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔

اگر کسی نے نبی پاک ﷺ کو زخمی کیا اور نبی پاک ﷺ کے سر سے خون نکلنے لگا تو اس وقت بھی نبی پاک ﷺ نے امت کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا یہ نہیں جانتے انکو بخش دے۔ اسی طرح نبی پاک ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو بھی نبی پاک ﷺ نے ان کے لئے عذاب نہیں مانگا۔

نبی پاک ﷺ کو طرح طرح کی تکلیفیں ملیں تب بھی نبی پاک ﷺ نے امت کے لئے دعا فرمائی۔ ایک یہودی نبی پاک ص کے پاس آیا اور کہا تم میرے مقروض ہو اور میرا قرض ادا کرو، نبی پاک ص نے فرمایا ایک تو آپ کا مجھ پہ کوئی قرض نہیں اور دوسرا اس وقت یہاں میرے پاس کچھ نہیں اگر اجازت ہو تو گھر جاؤں اور کچھ پیسے تمہارے لئے لے کر آؤں؟

وہ عصبانی ہو گیا اور نبی پاکؐ کی عبا کو کھینچا اور گردن کو پکڑ کر بہت بے حرمتی کرنے لگا، نبی پاک ص کے چہرے پہ سرخی ظاہر ہونے لگی لیکن پھر بھی نبی پاک ص نرمی سے گفتگو فرماتے رہے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا تو قریب آ کر عرض کی یا رسول اللہ اگر آپ حکم کریں تو ہم اس کو بتاتے ہیں کہ کس طرح آپ کی بے حرمتی کی ہے۔ نبی پاک ص نے فرمایا یہ میرا دوست ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس سے کیسے بات کرنی ہے۔ وہ یہودی اس قدر نبی پاک ص کے صبر سے متاثر ہوا کہ فوراً کلمہ پڑھنے لگ گیا اور کہا اے نبی اکرم ص آپ قدرت رکھتے ہوئے بھی درگذر کرتے ہیں۔

ایک دن نبی پاک ص اپنی ایک بیوی کے ساتھ تشریف فرما تھے تو ایک یہودی وارد ہوا اور اس نے سلام کی جگہ کہا السام علیکم (لعنت آپ پر) دوسرا یہودی وارد ہوا اور اس نے بھی یہی کہا کہا السام علیکم (لعنت آپ پر)۔ نبی پاک ص خاموش رہے لیکن نبی پاک کی بیوی ناراض ہو کر غصے میں آ گئیں اور کہا تم دونوں یہودیوں پہ لعنت ہو۔ تم دونوں بد کلام ہو۔ اس موقع پر نبی پاک ص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے لہجے کو ملائم بنائیں اور تند الفاظ و سخت گفتگو سے پرہیز کریں، اگر آپ انکو فقط یہ کہہ دیتیں کہ علیکم (آپ پر بھی) تو کافی تھا۔

منابع :

۱۔اصول کافی ۲/۹۰ باصبر

۲۔ محجۃ البیضاء، ۱۰۶/۷

۳۔مناقب ابن شہر آشوب، ۱۴۵/۱

۴۔بحار الانوار، ۲۲۶/۱۶ ۵۔مصباح الشریعہ ۱۵۴ ۶۔بحار الانوار، ۴۲۲/۷۱

۷۔سورہ انفال آیہ ۳۳ ۸۔تاریخ تحلیل اسلام ۹۔وسائل شیعہ ج۲

[۱] کلینی، اصول کافی، ۲/۹۰، کتاب الایمان والکفر، باب صبر، ح ۲

[۲] محجۃ البیضاء، ۱۰۶/۷ [۳] مناقب ابن شہر آشوب، ۱۴۵/۱؛ بحار الانوار، ۲۲۶/۱۶۔

۸. مصباح الشریعہ/ ۱۵۴؛ بحار الانوار، ۴۲۲/۷۱)

https://b2n.ir/m44702

رسول اکرم کی سیرت میں عورت کا مقام...

بختاور ظہیر
Bakhtujee77@gmail.com
کارشناسی ارشد (فقہ خانوادہ) بنت الہدیٰ قم

تاریخ گواہ ہے کہ ایک عرصۂ دراز سے عورت مظلوم چلی آرہی تھی۔ یونان میں، مصر میں، عراق میں، ہند میں، چین میں، غرض ہر قوم میں ہر خطہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی، جہاں عورتوں پر ظلم کے پہاڑ نہ ٹوٹے ہوں۔ لوگ اسے اپنے عیش و عشرت کی غرض سے خرید وفروخت کرتے ان کے ساتھ حیوانوں سے بھی بُرا سلوک کیا جاتا تھا. حتی کہ اہلِ عرب عورت کے وجود کو موجبِ عار سمجھتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ در گور کردیتے تھے۔ ہندوستان میں شوہر کی چتا پر اس کی بیوہ کو جلایا جاتا تھا۔ واہبانہ مذاہب عورت کو گناہ کا سرچشمہ اور معصیت کا دروازہ اور پاپ کا مجسم سمجھتے تھے.

زمانہ جہالت میں عورتوں اور مردوں کے درمیان چیزوں کی تقسیم اور لین دین کے معاملات میں نہ صرف تفریق کی جاتی بلکہ عورت کو مرد کے مقابلے میں نسبتاً کمتر سمجھا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ عورت کی حیثیت کا اقرار کرنا تو درکنار وہاں تو عورت سے اس کے جینے کا حق تک چھین لیا جاتا تھا.

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے اس طرزِ عمل کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:

''اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو (بچہ) ان چو پایوں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مَردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کردیا گیاہے، اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا (پیدا) ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہوتے ہیں، عنقریب وہ انہیں ان کی (من گھڑت) باتوں کی سزا دے گا، بیشک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے''۔(۱)

لوگ لڑکی کے پیدا ہونے پر غصہ میں ہوتے اور انہیں زندہ دفن کردیا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں ان قوموں کے اس طرزِ عمل کی عکاسی یوں کی گئی ہے:

''اور جب ان میں سے کسی کولڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی ہے تواس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی ہے، (اب یہ سوچنے لگتا ہے کہ) آیا اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ (زندہ) رکھے یا اسے مٹی میں دبادے (یعنی زندہ در گور کردے)، خبردار! کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں''۔(۲)

ظہور اسلام سے پہلے دنیا نے عورت کو پستی کے ایک ایسے غار میں پھینک دیا تھا کہ جس کے بعد اسکے ارتقا کی کوئی توقع نہیں تھی. عورت کی تاریخ مظلومی اور محکومی کی تاریخ تھی،اسے کم تر سمجھا جاتا تھا،قدیم تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سارے عالم میں عورت کی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی خواہ وہ یونان ہو یا روم،عرب ہو یا عجم،یورپ ہو یا ایشیاء ہر جگہ عورت مظلوم ہی رہی ہے۔

ایک یونانی ادیب کہتا ہے:

دو مواقع پر عورت مرد کے لئے باعثِ مسرت ہوتی ہے ایک تو شادی کے دن اور دوسرے اس کے انتقال کے دن. ایسے وقت میں اسلام نے انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور عورتوں کو ان کا فطری اور قدرتی حق دلایا۔ قرآن کا اعلان ہوا: عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (عورتوں کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو۔(۳)

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ (اور عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق وہی حقوق حاصل ہیں، جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں۔ (۴)

اسلام کی آمد عورت کے لئے غلامی، ذلت اور ظلم واستحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کردیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں، اور عورت کو وہ حیثیت عطا کی جس سے وہ معاشرے میں اس عزت وتکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق کے درجے میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا ہے۔ اسی طرح انسانیت کی تکوین میں عورت مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھران دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلادیا''۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورت پر احسان عظیم کیا اور اس کو ذلت وپستی کے گڑھوں سے نکالا جب کہ وہ اس کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس کے وجود کو گوارا کرنے سے بھی انکار کیا جارہا تھا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے اور آپ نے پوری انسانیت کو اس آگ کی لپیٹ سے بچایا اور عورت کو بھی اس گڑھے سے نکالا اور اس زندہ دفن کرنے والی عورت کو بے پناہ حقوق عطا فرمائے اور قومی وملی زندگی میں عورتوں کی کیا اہمیت ہے، اس کو سامنے رکھ کر اس کی فطرت کے مطابق اس کو ذمہ داریاں سونپیں۔

مغربی تہذیب بھی عورت کو کچھ حقوق دیتی ہے، مگر عورت کی حیثیت سے نہیں. بلکہ یہ اس وقت اس کو عزت دیتی ہے، جب وہ ایک مصنوعی مرد بن کر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر تیار ہوجائے. مگر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین عورت کی حیثیت سے ہی اسے ساری عزتیں اور حقوق دیتا ہے اور وہی ذمہ داریاں اس پر عائد کی جو خود فطرت نے اس کے سپرد کی ہے.

اسلام نے ہمارے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ کے زریعہ عورت کو اس کا مقام اور حقوق عطا کیے جنکا مختصر ذکر کریں گے.

ا۔ عورت بحیثیتِ انسان:

اسلام نے عورت پر سب سے پہلا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد و عورت دونوں کی سوچ اور ذہنیت کو بدلا. انسان کے دل ودماغ میں عورت کا جو مقام و مرتبہ اور وقار ہے اس کو متعین کیا۔ اس کی سماجی، تمدنی، اور معاشی حقوق کا فرض ادا کیا۔ قرآن میں ارشاد ربانی ہے: خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخَلَقَ منھا زوجَھا (۵)

اللہ نے تمھیں ایک انسان (حضرت آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بنایا۔

اس بنا پر انسان ہونے میں مرد و عورت سب برابر ہیں۔ یہاں پر مرد کے لئے اس کی مردانگی قابلِ فخر نہیں ہے اور نہ عورت کے لئے اس کی نسوانیت باعثِ عار۔ یہاں مرد اور عورت دونوں انسان پر منحصر ہیں اور انسان کی حیثیت سے اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے فطرت کا عظیم شاہکار ہے۔ جو اپنی خوبیوں اور خصوصیات کے اعتبار سے ساری کائنات کی محترم بزرگ ترین ہستی ہے.

قرآن میں ارشاد ہے کہ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا (٦)

ہم نے بنی آدم کو بزرگی وفضیلت بخشی اور انھیں خشکی اور تری کے لئے سواری دی۔ انھیں پاک چیزوں کا رزق بخشا اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں پر انھیں فضیلت دی۔

اور سورہ التین میں فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۷)

ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔

۲۔ عورت بحیثیت ماں:

اسلام نے سیرت النبی کے زریعہ عورت کو ایک ماں ہونے کی حیثیت سے ایک ایسا مقام عطا کیا کہ رسول پاک کا فرمان ہے. ماں کے قدموں تلے جنت ہے. (۸)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کی جنت ماں کے قدموں تلے قرار دے کر ماں کو معاشرے کا سب سے زیادہ مکرم و محترم مقام عطا کیا.

اسلام نے نہ صرف معاشرتی و سماجی سطح پر بیٹی کا مقام بلند کیا بلکہ اسے وراثت میں حقدار ٹھہرایا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں عورت کے تمام روپ اور کردار کو اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمایا: اب جس دور میں عورت ہو، جس مقام پر ہو اور اپنی حیثیت کا اندازہ کرنا چاہے تو وہ ان کرداروں کو دیکھ کر اپنی حیثیت کو پہچان سکتی ہے۔

”عورتوں میں بہترین عورتیں چار ہیں، حضرت مریم بنت عمران علیہما السلام، (ام المؤمنین) حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام، حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا اور فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام“۔

حوالہ جات:

(۱) (سورۃ الانعام، ۶: ۱۳۹)
(۲) (سورۃ النحل، ۱۶، ۵۸، ۵۹)
(۳) (سورۃ النساء ۴: ۱۹)
(۴) (سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲۸)
(۵) (النساء: ۱)
(۶) (سورہ بنی اسرائیل: ۷۰)
(۷) (التین: ۴)
(۸) (کشف الارتیاب، ص ۳۴۹)

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق طیبہ

خانم گل جوادی
بنت الہدی کارشناسی ارشد فقہ واصول (تربیتی)
Guljawadi@gmail.com

يَا صَاحِبَ الجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ البَشَرِ مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ
اے صاحب جمال کل اے سرورِ بشر
رُوئے منیر سے ترے روشن ہوا قمر

پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت باسعادت:

آپ ﷺ کی ولادت روایات میں دو طرح سے بیان کیا گیا ہے،اسی وجہ سے مسلمان (شیعہ اور سنی) ۱۲ اربیع الاول سے ۱۷ اربیع الاول تک ہفتہ وحدت مانتے ہیں،یہ بات بھی واضح ہو کہ آپ کی ولادت کے دن میں فقط اختلاف رکھتے ہیں وگرنہ سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل ۵۷۰ میلادی میں مدینہ منورہ میں ہوئی، مگر زیادہ تر شیعہ روایات کے تحت آپ ﷺ کی ولادت ۱۷ اربیع الاول بیان کرتے ہیں مگر چند روایات دیگر کے مطابق ۱۲ اربیع الاول کو آپ ﷺ کی ولادت ہوئی.

نام والقاب :

آپ ﷺ کا اسم مبارک قرآن مجید کی چار سوروں میں آیا ہے وہ سورے یہ ہے :

۱، سورہ آل عمران ۲، سورہ فتح ۳، سورہ محمد ۴، سورہ احزاب

اس کے علاوہ آپ ﷺ کو سورہ صف میں نام احمد سے بھی یاد کیا گیا ہے،

مگر آپ ﷺ کے القابات بہت زیادہ ہے ان میں سے چند یہ ہیں :

نبی، رسول، بشیر، نذیر، مصطفیٰ، طہ، یس، مزمل، مدثر و.......

تاریخ میں آپ ﷺ کا نام مبارک محمد اور لقب مشہور ابو القاسم کیا ہے.

سیرہ اخلاقی پیغمبر ﷺ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اخلاق اور صفات برجستہ مانند توکل، زہد، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، کے ایسے مقام پر فائز تھے کہ خداوند متعال نے سورہ قلم ایہ نمبر ۴ میں فرمارہاہے، « انك لعلی خُلُق عظیم » اور حقیقت میں ایسے صفات و اخلاق کے حامل تھے کہ سورہ احزاب میں خداوند آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے اسوہ بنا کر پیش کر رہا ہے، فرمارہا ہے :

« لقد کان لکم فی رسول الله اسوه حسنه »

صداقت و امانت کے ایسے گرویدہ کہ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق الامین کے لقب سے یاد کیے جانے لگے، آپ ﷺ کے سیرہ اخلاقی کو دو پہلوؤں میں دیکھا جاسکتا ہے؛

۱، اخلاق فردی یا انفرادی

۲ اخلاق اجتماعی

سیرہ فردی یا انفرادی:

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی انفرادی صفات کو توکل، زہد، شرح صدر و.. کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے اور عبادی لحاظ سے دیکھیں تو آپ ﷺ نماز، روزہ اور قرآن کی تلاوت میں ہمیشہ مشغول نظر آتے ہیں، کہ خدا خود کہتا ہے: «قمِ الیل الا قلیلاً»

نظافت اور صفائی تو آپ ﷺ کی تمام خاص و عام کی زبان کا ورد بن چکا ہے اسی طرح آپ ﷺ کھانے پینے میں بھی بہت سادہ اور معتدل تھے.

اخلاق اجتماعی:

اما راجع بہ اخلاق اجتماعی آنحضرت ﷺ چاہیے امور خانہ داری ہو یا امور نظامی یا پھر دیگر امور میں آپ ﷺ ہمیشہ عہد کا وفا کرتے تھے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے، انتہائی تواضع اور انکساری سے لوگوں سے ملتے تھے، لوگوں کی خطاؤں کو بخش دیتے تھے، آپ ﷺ خوش مزاج، خوش گفتار شخصیت کے مالک تھے.

ہمارے تیسرے امام حضرت سید الشہداء ع اپنے پیارے بابا جان امام علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ؛ میں نے اپنے بابا جان سے رسول اللہ ﷺ کا اپنے ہمنیشنون، ساتھیوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں پوچھا تو میرے بابا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ خوشرو، سہل گیر، نرم خو، سے پیش آتے تھے، آپ ﷺ تند خوئی کو پسند نہیں کرتے تھے، کسی کو دشنام نہیں دیتے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ ہمیشہ اپنے آپ کو تین چیزوں سے جود کو بچایا کرتے تھے:

الف، مجادلہ (لڑائی جھگڑے) کرنے سے
ب، زیادہ گفتگو کرنے سے
ج، بیہودہ کام کرنے سے.

آپ ﷺ کے اخلاق سے لوگ آسائش میں تھا آپ ﷺ لوگوں کے لئے ایک مہربان باپ تھے، کبھی کسی غلام کو یا کنیز کو آپ ﷺ نے لعنت نہیں کیا، آپ ﷺ کے اخلاقیات جتنا بھی بیان کریں اس کا کوئی پایان نہیں پس ہم اسی چند جملے پر اکتفا کرتے ہے، اور خدا سے دعا ہے کہ ہم سب کو سیرت نبوی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حوالہ جات:

۱؛قرآن کریم

۲؛رسول اللہ الگو زندگی

۳؛درسنامہ علم اخلاق

۴؛مکارم اخلاق

اہداف بعثت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد لطیف مطہری کچوروی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ایام میں یہ عالم بالعموم اور ملک عرب بالخصوص ہر لحاظ سے ایک ظلمت کدہ تھا۔ہر طرف کفر وظلمت کی آندھیاں نوع انسان پر گھٹاٹوپ اندھیرا بن کر امڈ رہی تھی۔انسانی حقوق یا فرائض کا کوئی ضابطہ یا آئین موجود نہ تھا۔اغواء قتل وغارت اور اپنی لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا معمول زندگی تھا۔ذراسی بات پر تلواریں نکل آتیں اور خون کی ندیاں بہادی جاتیں۔انسانیت ہر لحاظ سے تباہی وبربادی کے کنارے پر کھڑی تھی۔ان حالات میں رحمت حق جوش میں آئی اور حضور اکرم مبعوث بہ رسالت ہوئے۔دنیا چشم زدن میں گہوارہ امن وامان بن گئی۔راہزن رہنماء بن گئے۔جاہل شتر بان اور صحرا نشین جہان بان وجہان آرابن گئےاور سرکش لوگ معلم دین واخلاق بن گئے۔

تاریخ انسانیت کا یہ عظیم واقعہ دنیامیں ایک بڑے انقلاب کا باعث بنااور اس نے پوری تاریخ انسانیت پر اثرات چھوڑدیے۔دنیامیں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں،انبیائے اولوالعزم مبعوث ہوئے ہیں اور بہت سے بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے بڑ کر کوئی واقعہ نہیں ہے اور اس سے بڑے واقعہ کے رونما ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس عالم میں خداوند متعال کی ذات کے بعدرسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عظیم ہستی کوئی نہیں ہے اور آپ کی بعثت سے بڑاواقعہ بھی کوئی نہیں ہے۔ایک ایسی بعثت کہ جو

رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہے اور عالم امکان کی عظیم ترین شخصیت اور عظیم ترین الٰہی قوانین کی بعثت ہے۔

امام خمینی رحمتہ اللہ علیہ اس عظیم دن کے بارے میں فرماتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ایک انقلاب برپا ہوا ہے اور اس دنیا میں تدریجاً ایسی چیزیں رونما ہوئی ہیں کہ جو پہلے نہیں تھیں۔ وہ تمام معارف وعلوم جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی برکت سے پوری دنیا میں پھیلے، ان کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ بشریت ان کے لانے سے عاجز ہے اور جو لوگ صاحب علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ معارف کیا ہیں اور ہم کس حد تک ان کا ادراک کر سکتے ہیں؟ تمام انسانوں کا ان معارف وعلوم کے لانے میں عاجز ہونا اور بشریت کے فہم وادراک سے اس کا مافوق ہونا ایک ایسے انسان کے لئے بہت بڑا معجزہ ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی امام خامنہ ای مدظلہ اس بابرکت دن کے بارے میں فرماتے ہیں: روز بعثت بے شک انسانی تاریخ کا سب سے بڑا اور عظیم دن ہے کیونکہ وہ جو خداوند متعال کا مخاطب قرار پایا اور جس کے کاندھوں پر ذمہ داری ڈالی گئی، یعنی نبی مکرم اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ کا عظیم ترین انسان اور عالم وجود کا گران مایہ ترین سرمایہ اور ذات اقدس الٰہی کے اسم اعظم کا مظہر یا دوسرے الفاظ میں خود اسم اعظم الٰہی تھا اور دوسری طرف وہ ذمہ داری جو اس عظیم انسان کے کاندھوں پر ڈالی گئی (یعنی نور کی جانب انسانوں کی ہدایت، بنی نوع انسان پر موجود بھاری وزن کو برطرف کرنا اور انسان کے حقیقی وجود سے متناسب دنیا کے تحقق کا زمینہ فراہم کرنا اور اسی طرح تمام انبیاء کی بعثت کے تمام اہداف کا تحقق بھی) ایک عظیم اور بھاری ذمہ داری تھی۔ یعنی خداوند متعال کا مخاطب بھی ایک عظیم انسان تھا ور اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی ذمہ داری بھی ایک عظیم ذمہ داری تھی۔ لہٰذا یہ دن انسانی تاریخ کا عظیم ترین اور بابرکت ترین دن ہے۔

اس عظیم دن کی مناسبت سے ہم یہاں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بعض اہداف بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت علی علیہ السلام بعثت انبیاء کے بارے میں فرماتے ہیں :

(و لیعقل العباد عن ربھم ما جھلوہ ، فیعرفوہ بربوبیتہ بعد ما انکروا ، و یوحدوہ بالالوھیة بعد ما عندوا)

اس نے پیغمبروں کو بھیجا تا کہ اس کے بندے توحید اور صفات خدا کے بارے میں جو کچھ نہیں جانتے سیکھ لیں اور انکار و عناد سے اجتناب کے بعد خدا کی واحدانیت ،ربوبیت اور خالقیت پر ایمان لائیں۔

آپ فلسفہ نبوت کے بارے میں بعض نکات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں :

۱۔ خدا اور انسان کے درمیان ہونے والے عہد و پیمان کی تجدید: آپ فرماتے ہیں : (لیستادوا میثاق فطرتہ) تاکہ وہاں سے فطرت کی امانت کو واپس لیں۔

۲۔خداوند متعال کی نعمتوں کی یاد آوری: (و یذکروھم منسی نعمتہ)انہیں اللہ کی بھولی ہوئی نعمت یاد دلائیں۔

۳۔خداوند متعال کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا تاکہ اس کے ذریعہ اتمام حجت ہو سکے۔ (ویحتجوا علیھم بالتبلیغ) تاکہ وہ تبلیغ کے ذریعے ان پر اتمام حجت کریں۔

۴۔لوگوں کی عقلوں کو ابھارنا اور انہیں باور کرانا : (ویثیروالھم دفائن العقول) تاکہ وہ ان کی عقل کے دفینوں کو باہر لائیں۔

۵۔خداوند متعال کی حکمت اور قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرانا: (ویروھم الایات المقدرة، من سقف فوقھم مرفوع،ومھاد تحتھم موضوع ....) تاکہ وہ انہیں قدرت الہیٰ کی نشانیاں دکھلائیں ان کے سروں کے اوپر موجود بلند چھت اور ان کے زیر قدم گہوارے کے ذریعے ---}

٦۔انبیاء کے ذریعے قابل ہدایت افراد پر اتمام حجت کرنا: (وجعلھم حجة لہ علی خلقہ، لئلا تجب الحجة لھم بترك الاعذار الیھم) اللہ نے انبیاء کو اپنے بندوں پر اپنی حجت بنا دیا تاکہ بندوں کو یہ بہانہ نہ ملے کہ ان کے عذر کا خاتمہ نہیں کیا گیا ہے۔

ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل شدہ روایتوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ انسان ہمیشہ آسمانی ہدایت کا محتاج ہےاور یہ نیازمندی دو طرح کی ہے:۱۔ معرفت و شناخت کے لحاظ سے ۲۔ اخلاقی و تربیتی لحاظ سے، کیونکہ ایک طرف انسان کی معرفت کا سرچشمہ عقل و شہود اور حواس ہیں جو محدود ہونے کی بنا پر ہدایت اور فلاح کے راستے میں انسان کی تمام ضروریات کا حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔علاوہ براین بسا اوقات انسانی غرائز اسے نہ صرف عادلانہ قانون تک پہنچنے نہیں دیتے بلکہ اس کی بعض سرگرمیاں اسے اپنی خلقت کے اصلی ہدف اور اس عظیم مقصد سے غافل بھی کراتی ہیں۔ اسی بنا پر انسان ہمیشہ وحی کی رہنمائی اور آسمانی رہنماؤں کا محتاج ہوتا ہے۔ خداوند متعال کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ انسان کی اس اہم ضرورت کو پوری کرے کیونکہ اگر وہ اسے پوری نہ کرے تو لوگ اسی بہانے عذر پیش کریں گے اور ان کے پاس بہانے کا حق باقی رہے گا جیساکہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: (رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُل) یہ سارے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے گئے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد انسان خدا کی بارگاہ میں کوئی عذر یا حجت نہ پیش کرسکے"۔

قرآن کریم اتمام حجت کے علاوہ مندرجہ ذیل امور کو بھی انبیاء کی بعثت کے اہداف میں شمار کرتا ہے:

۱۔لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دینا اور طاغوت سے دور رکھنا: (وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوت) یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

۲۔انسانی معاشرے میں عدل و انصاف نافذ کرنا: (لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ أَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْط) بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔

۳۔انسان کی تعلیم وتربیت: (هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّنَ رَسُولًا مِّنهُمْ یَتْلُواْ عَلَیهِمْ ءَایَاتِهِ وَ یُزَکِّیهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَ الحِکْمَة) اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہی میں سے تھا تا کہ وہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

۴۔ باہمی اختلاف کی صورت میں فیصلہ کرنا:

(کَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِیِّنَ مُبَشِّرِینَ وَ مُنذِرِینَ وَ أَنزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ بِالْحَقّ لِیَحْکُمَ بَینَ النَّاسِ فِیمَا اخْتَلَفُواْ فِیه)

(فطری لحاظ سے) سارے انسان ایک قوم تھے۔ پھر اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں۔

مذکورہ مطالب سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبوت انسان کی فردی، اجتماعی، مادی او رمعنوی زندگی سے مربوط ہے اور انبیاء کی ہدایت بھی انسان کی زندگی کی تمام جہات کو شامل ہے۔ اگرچہ عقل و حس بھی انسان کی ہدایت میں کردار ادا کرتی ہیں لیکن حقیقت میں جس طرح انسان عملی و عقلی ہدایت کا محتاج ہے اسی طرح وحی پر مبنی ہدایت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور ان دونوں ہدایتوں کا سرچشمہ ذات الہیٰ ہے جو انسانوں پر حجت ہے۔ امام موسی کاظم علیہ السلام انبیاء اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو خداوند متعال کی ظاہری حجت اور عقل کو خداوند متعال کی باطنی حجت قرار دیتے ہیں۔ (و ان للّٰہ علی الناس حجتین: حجة ظاهرة و حجة باطنة: فاما الظاهرة فالرسل و الانبیاء و الائمة علیهم السلام و اما الباطنة فالعقول)

خواجہ نصیر الدین طوسی رہ انبیاء کی بعثت کے اہداف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انبیاء اور پیغمبروں کی ضرورت اس لئے ہے تا کہ وہ انسانوں کو خالص عقائد، پسندیدہ اخلاق اور شایستہ اعمال سکھائیں جو انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کے لئے فائدہ مند ہو نیز ایسے اسلامی معاشرے کی

بنیاد رکھیں جو خیر و کمال پر مشتمل ہو اور امور دینی میں ان کی مدد کرے علاوہ ازیں جو لوگ صراط مستقیم سے منحرف ہو جائیں انہیں مناسب طریقے سے کمال و سعادت کی طرف دعوت دیں۔

حوالہ جات:

۱۔امام خمینی رح

۲۔امام خامنہ ای۔[۷انومبر ۱۹۹۸ء]۔

۳۔ نہج البلاغۃ، خطبہ ۱۴۳۔

۴۔ نہج البلاغۃ، خطبہ ا۔

۵۔ نہج البلاغۃ، خطبہ ۱۴۴.

۶۔ نساء، ۱۶۵۔

۷۔ نحل، ۳۶۔

۸۔ حدید، ۲۵۔

۹۔ جمعہ، ۲۔

۱۰۔ بقرۃ، ۲۱۳۔

۱۱۔ اصول کافی، ج اکتاب العقل والجہل، حدیث ۱۲۔

۱۲۔ تلخیص المحصل، ص ۳۶۷۔

پیغمبر اکرمؐ کا اپنے اصحاب کے ساتھ برتاؤ

امام بخش جنتی
com۔Imambuxjannati@gmail

انسان کیلئے زندگی گزارنے کی خاطر نمونہ عمل کا ہونا ضروری ہے۔ ہم مسلمانوں کے لئے نبی اکرم نمونہ عمل ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں کہ رسولِ خدانے اپنے اصحاب کے درمیان کیسے زندگی بسر کی ہے۔

(۱) عملی تربیت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو زبانی واعظ و نصیحت کرنے سے کہیں زیادہ اپنے عمل سے انہیں اچھی عادات اور نیک کردار کی تعلیم دیتے تھے۔آپ کے طور طریقے اسلامی تربیت کا کامل نمونہ تھے۔

(۲) انداز گفتگو اور سادگی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹوں پر ہر وقت ایک حسین اور پر کشش مسکراہٹ پھیلی رہتی، لیکن قہقہہ لگا کر کبھی بھی نہ ہنستے، تندو تیز گفتگو اور غصے سے پرہیز فرماتے اور جھوٹ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ

جب تک لوگوں کی حالت اچھی نہ ہو جائے ، آپؐ خود یا آپ کے اہل خانہ دوسروں سے خوشحال زندگی گزاریں۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ تنگی میں دن کاٹیں اور آپ کے گھر والے ناز و نعم میں زندگی بسر کریں۔ آپ ہمیشہ لوگوں کی حالت بہتر بنانے کی کوشش کرتے اور خود بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔

(۳) انکساری

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جوان اور بوڑھے کا لحاظ کرتے اور سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ آپ بیماروں کی عیادت کرتے اور اگر کوئی مسلمان انتقال کر جاتا تو اس کے جنازے میں شرکت کرتے تھے۔ مہمانوں کا استقبال ہمیشہ بڑی گرم جوشی سے کرتے تھے۔

(۴) مہر و محبت اور آداب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کو ایک بھائی کی نگاہ سے دیکھتے اور ہر ایک کے ساتھ مہر و محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ جب نبی □ حابہ کرام کے درمیان تشریف فرماتے تھے ، تو انتہائی سادگی اور انکساری کا اظہار فرماتے ، حتیٰ اگر کوئی اجنبی اس محفل میں آتا تو اس سے پتا ہی نہیں چلتا کہ ان میں سے رسول خدا کون ہیں۔ اگر لوگوں کے ہمراہ کہیں تشریف لے جاتے تو سب سے آگے نہیں چلتے ، بلکہ لوگوں کے درمیان چلتے تھے

(۵) عفو در گزر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و درگزر کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے سرکش دشمنوں پر قابو پا لینے کے باوجود انہیں معاف کر دیتے تھے ، تاکہ وہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر لیں ، اور مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ان

سرداران مکہ کو بھی معاف کر دیا جن کے متعلق آپؐ کو شدید تحفظات تھے۔ جنہوں نے آپؐ کو اور آپ کے پیروکاروں کو بے انتہا اذیتیں دی تھیں، آپ کے خلاف سازشیں کی تھیں، اور جنگیں لڑی تھیں، آپ کی طبیعت میں کینہ اور انتقام نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ آپؐ دوست اور دشمن دونوں پر مہربان ہوتے تھے۔ طاقت کے باوجود عفوو درگزر اور رحمدلی سے کام لیتے تھے۔

(۶) آپؐ کا عدل وانصاف

رحمدل ہونے کے باوجود آپؐ ایک اسلامی حکمران کے طور پر محروم لوگوں کو ان کے حق دلانے اور عدل و انصاف کرنے میں کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔ آپؐ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ کسی حقدار کا حق چھین لیا جائے۔

(۷) ثابت قدمی

دشمنوں کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہادری اور ثابت قدمی کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی تھی۔ چنانچہ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں جب جنگ کی آگ شدت سے شعلہ بار ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب سے کہیں زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔

(۸) بیت المال کی تقسیم

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیت المال میں تقریباً ۹۰ ہزار درہم کی خطیر رقم آئی، جسے آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا تھا۔ آپ نے یہ ساری رقم ایک چادر پر پھیلا دی اور پھر مستحق لوگوں میں بانٹ دی، اور خود اپنے لئے اس میں سے ایک درہم نہ لیا۔ بعد میں آپ پورے اطمینان سے اسی چادر پر سو گئے۔ اور جب لوگوں نے آپ کے لئے ایک

نرم بستر بچھانا چاہا تو آپ نے فرمایا میں دنیا میں ایک مسافر کی مانند ہوں جو تھوڑی دیر کے لئے ایک درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور پھر اپنے راہ پر چل کھڑا ہوتا ہے۔

ایک صحابی کا کہنا ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ نماز عصر پڑھ رہے تھے، نماز ختم ہوتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی تیزی سے لوگوں کی صفیں چیرتے ہوئے اپنے گھر تشریف لے گئے، اور کچھ دیر بعد آپ واپس آئے اور فرمایا:

مسلمانوں کا کچھ مال ہمارے گھر میں رکھا تھا اچانک مجھے اس کا خیال آیا اور دل میں خوف آیا کے یہ ہمارے پاس پڑا رہا تو ہمیں اس کے لئے جوابدہی کرنا ہوگی اسی لئے میں گھر گیا اور اسے حاجت مندوں میں تقسیم کرکے آیا ہوں۔

(۹) قناعت پسندی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قناعت وسادگی اور بے نیازی اس وقت کی تھی جب آپؐ حاکم تھے، اور آپؐ کی قوت اور اثر ورسوخ میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ کو بہت سی کامیابیاں مل رہی تھی اور بڑی بڑی جنگوں میں آپ کو دشمن پر فتح ملی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے سرپرست کی حیثیت سے آپ کے اختیار میں بیت المال ہوتا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ یہ نہیں بھولتے تھے کہ یہ مال سب مسلمانوں کا ہے آپ خود کو ملت اسلامیہ کا ہی ایک فرد سمجھتے تھے، اور بیت المال سے دوسروں کے برابر ہی حصہ وصول کیا کرتے تھے۔

(۱۰) بھائی چارگی

اخوت اور بھائی چارگی کا قیام انتہائی اہم قدم تھا، طبقاتی نظام، بی جا تعصّبات، قبائلی غرور، اور معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی اور نفرت اس دور کے متعصب اور جاہل معاشرے کے لئے کسی بلا سے کم نہ تھی۔ لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے درمیان

اخوت اور بھائی چارگی کا رشتہ قائم کرکے ان تمام مسائل کو اپنے پاوں تلے کچل دیا۔ نبی □لی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قبیلے کے سردار کو ایک انتہائی غریب اور متوسط طبقے کے شخص کا بھائی بناتے ہوئے فرمایا آج سے تم دونوں آپس میں بھائی ہو۔

(۱۱) مسجد ضرار کا انہدام

جب منافقین بھی کسی گروہ نے منصوبہ بندی کے ساتھ تحریک شروع کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کا مقابلہ کیا۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے منافقانہ سازشوں کے لئے لئے ضرار نامی مسجد کو مرکز بنایا۔ اسلامی حکومت سے باہر روم کے قلمرو میں موجود ابو عامر راہب جیسے شخص سے رابطہ برقرار کیا، تاکہ رومیوکے ذریعے سرور کائناتؐ پر لشکر کشی کی جائے۔ اس منصوبہ بندی کے ساتھ کی جانے والی دشمنی کا مقابلہ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ضرار منہدم کرادی، اور فرمایا کہ یہ عمارت مسجد نہیں بلکہ یہ اللہ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا گڑھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے منصوبہ ساز دشمنوں، منافقوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا، لیکن دیگر منافقین کے ساتھ نرم سلوک روا رکھا۔ کیوں کہ ان کا کھترا انفرادی تھا۔ اکثر و بیشتر سرور کائنات (ص) اپنے نیک سلوک کے ذریعے انہیں شرمندہ ہونے پر مجبور کردیتے تھے۔

(۱۲) دشمن گروہوں کے ساتھ برتاؤ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ تدبر اور غور و فکر کے بعد کوئی کام کرتے تھے۔ اور ہر کام کو بروقت انجام دیتے اور کسی بھی کام کا وقت گزرنے نہیں دیتے تھے۔ انفرادی لحاظ سے آپ قناعت پسند اور پاک وصاف طبیعت کے مالک تھے۔ آپؐ کی شخصیت میں کسی بھی قسم کی کمزوری کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ پاک وصاف اور عصمت کے مالک تھے۔ یہ خود ہی معاشرے پر اثر انداز ہونے کا ایک بہترین سبب ہے۔ عمل زبان سے کہیں زیادہ موثر ہوتا ہے۔ آپ ہمیشہ

صاف صاف بات کیا کرتے تھے تے۔ لیکن جب کبھی دشمن سے واسطہ پڑتا تھا تو ایسی سیاست سے کام لیتے کہ دشمن آپؐ کی تدبیر سے دھوکا کھا جاتا تھا۔ چاہے سیاسی اعتبار سے ہو، یا دفاعی لحاظ سے، آپؐ نے متعدد بار دشمن کو دھوکا کھانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن مسلمانوں اور عام لوگوں کے ساتھ سیدھی سیدھی بات کرتے تھے۔ کبھی مبہم بات نہیں کرتے تھے۔ اور بوقت ضرورت انتہائی نرمی کا بھی بھرپور مظاہرہ کرتے تھے۔

(۱۳) مکمل رہنمائی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی اسلام اور مسلمانوں کے لئے کوئی خطرہ محسوس کرتے، تو مسلمانوں کی مکمل رہنمائی کرتے، اور کسی صورت میں بھی مسلمانوں کو غفلت برتنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

منابع وماخذ: (۱) مکارم الاخلاق نسخہ خطی نگارندہ۔
(۲) محمد رسول اللہ ص ۳۹
(۳) طبقات ابن سعد
(۴) تاریخ النبی احمد
(۵) سیرہ حلبیہ ص
۱۳۲ (۶) مکارم الاخلاق نسخہ خطی
(۷) دوائر العلوم ص ۴۵

رسول خداؐ کا مقامِ شفاعت

وقار علی مطہری
com۔waqarpahor1214@gmail

شفاعت کا عقیدہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ علمائے اسلام اسے ضروریاتِ دین میں سے قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے عقیدہ شفاعت کو سمجھنا ضروری ہے۔

شفاعت کا مفہوم:

شفاعت یعنی کسی چیز کو کسی چیز سے جوڑنا،اور شفاعت کو خدا و مخلوق کے درمیان ثالثی سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اچھائی لائے یا برائی کو دور کرے۔شفاعت اس طرح مجرم میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے جیسے وہ مجرم ہی نہیں ہے۔شفاعت کا عقیدہ مجرم کو سزا سے بچانے کا باعث ہے۔ حضرت امام علی علیہ السلام شفاعت کے بارے میں فرماتے ہیں {لَا شَفِیعَ اَنۡجَحُ مِنَ التَّوۡبَۃِ} کوئی بھی شفاعت توبہ سے زیادہ نجات بخش نہیں ہے۔(۱)

شفاعت ایک مذہبی تصور ہے جس پر اکثر مسلمان یقین رکھتے ہیں۔ شیعہ عقائد کے مطابق شفاعت مکمل طور خدا کی طرف سے ہے اور کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتا۔ اس کے مطابق ، اگر خدا کسی بندے کے ایمان سے خوش ہوتا ہے تو خداوند عالم سفارش کرنے والوں کو اس کی شفاعت کی اجازت دیتا ہے۔شفاعت پر یقین اہل تشیع کے درمیان ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

سنیوں نے بھی شفاعت کے اصول کو قبول کیا ہے اور ان کے ذرائع خاص طور پر مومنین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر کرتے ہیں۔ حتی یہودی و مسیحی بھی شفاعت پر عقیدہ رکھتے ہیں جو دوسرے آسمانی ادیان کے لوگ ہیں۔ لیکن مسلمانوں میں وہابی ہیں جن کا ماننا ہے کہ شفاعت فقط خدا سے مانگی جا سکتی ہے اور وہ غیر خدا سے شفاعت مانگنا شرک سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن اور روایات میں صریحاً شفاعت کا ذکر ہوا ہے کہ باذن خدا دوسرے بھی شفاعت کر سکتے ہیں۔

شفاعت کی کچھ اقسام:

باطل شفاعت: ایسی شفاعت ہے جو کسی مظلوم کے مقابلے میں ظالم کی ہو اور یا پھر ایسی شفاعت ہو جو ظالم کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس طرح کی شفاعت خود ظلم ہے اور آخرت میں بھی ناممکن ہے۔ ایسی شفاعت کی قرآن میں بھی نفی کی گئی ہے۔

صحیح شفاعت: یہ وہ شفاعت ہے جو کاملاً خداوند متعال کی طرف سے ہے اور کوئی بھی شفاعت اس ذات باری تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں کر سکتا اور انبیاء و آئمہ ہر گز اس معنی میں نہیں ہیں کہ وہ مستقل شفاعت کر سکتے ہیں نہیں نہیں ہر گز ایسا نہیں ہے لیکن محمد و آل محمد باذن خدا شفاعت کر سکتے ہیں یہ یقینی بات ہے۔

کوئی بھی شفاعت نہیں کر سکتا مگر یہ کہ خدا اس سے راضی ہو۔

«وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ» (۲)

اس طرح کی شفاعت پر اہل تشیع ایمان رکھتے ہیں اور قرآن نے بھی اسی شفاعت کو درست قرار دیا ہے اور احادیث پیغمبر ص وائمہ اطہار نے بھی اسی شفاعت کی تائید کی ہے۔

قرآن میں شفاعت:

قرآن کی (۲۴) آیات میں شفاعت کا ذکر ہوا ہے بہت ساری اصطلاحات جو شفاعت کہ طور استعمال ہوتی تھیں یا ہیں قرآن میں ان کی نفی کی گئی ہے کہ جو بتوں اور جھوٹے خداؤں کے ساتھ ثالثی مخصوص ہے کہ مکہ کے مشرکین ان کو شفیع تصور کرتے ہیں۔

''وَیعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ ما لا یضُرُّهُمْ وَ لا ینْفَعُهُمْ وَ یقُولُونَ هؤُلاءِ شُفَعاؤُنا عِنْدَ اللهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللهَ بِما لا یعْلَمُ فِی السَّماواتِ وَ لا فِی الْأَرْضِ سُبْحانَهُ وَ تَعالی عَمَّا یشْرِكُون'' (۳)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ انہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں اور (پھر بھی) کہتے ہیں: یہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، کہد یجیے: کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو نہ آسمانوں میں معلوم ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک و بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے بتوں کی شفاعت کی نفی کے ساتھ ساتھ محترم لوگوں یا چیزوں کی نفی تھوڑی کی ہے۔ بلکہ محترم لوگوں اور چیزوں کی شفاعت کو شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے۔ من جملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شفاعت، جس کی قرآن نے واضح طور پر تائید کی ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں میں وجود شفاعت کے حوالے سے اختلاف نہیں ہے لیکن احکام اور مکان کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ عنوان مثال ہے یہ آیت۔

«وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا» (۴)

اور رات کا کچھ حصہ قرآن کے ساتھ بیداری میں گذارو یہ زائد (عمل) صرف آپ کے لئے ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

شیعہ و سنی مفسرین اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ اس آیت میں مقام محمود سے مراد وہی مقام شفاعت ہے جس مقام کا خدا نے اپنے پیارے حبیبؐ سے وعدہ کیا تھا۔

شفاعت کے بارے میں آیات قرآنی:

(1 بعض وہ آیات ہیں جو روز قیامت مطلقاً شفاعت کی نفی کرتی ہیں۔

اے ایمان والو! جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس دن کے جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی کا فائدہ ہوگا اور نہ سفارش چلے گی اور ظالم وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا(۵)۔

(2) بعض وہ آیات ہیں جو شفاعت کو فقط خدا کے ساتھ مخصوص کرتی ہیں۔

۔کہہ دیجیے: ساری شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے پھر تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤگے۔(٦)

(3) بعض وہ آیات ہیں جو بعض مخلوق کی شفاعت کی شرائط کے ساتھ تائید کرتی ہیں۔

اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، یہی خدا تو تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟(۷(

(4) بعض وہ آیات ہیں جو بعض افراد کی شفاعت کی نفی کرتی ہیں۔

اب ہم یہاں پر وہ آیات دلیل کے طور ذکر کریں گے جن آیات سے رسول خداؐ کا شفیع ہونا ثابت ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے یہی خدا تو تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو کیا تم نصیحت نہیں لیتے؟(۸)۔اس روز شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔(۹) اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو ان کے روبرو اور جو ان کے پس پردہ ہیں اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کی ہیبت سے ہراساں رہتے ہیں(۱۰)اور آسمانوں میں کتنے ہی ایسے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اللہ کی اجازت کے بعد جس کے لئے وہ چاہے اور پسند

کرے(۱۱) کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت کر سکے؟(۱۲)اور اللہ کے نزدیک کسی کے لئے شفاعت فائدہ مند نہیں سوائے اس کے جس کے حق میں اللہ نے اجازت دی ہو۔ (۱۳)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت وہی کر سکتے ہیں جو خدا کے نزدیک ایک خاص مقام کے حامل ہوں۔اب زمین وآسمان میں کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں ہے جو خدا کے نزدیک رسول خداؐ کی ذات اقدس سے زیادہ افضل ہو۔ یہ بات حتمی ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے بافضیلت اور باعظمت شخصیت صرف محمد مصطفیؐ کی ذات گرامی ہے اور سب سے پہلے وہی باذن خدا امت کی شفاعت کریں گے۔خود رسول خداؐ فرماتے ہیں {انا اَوَّلُ شافِعٍ وَ اوَّلُ مُشَفَّعٍ} ۔ (۱۴) میں وہ ہوں جو سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے جس کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا وہ میری شفاعت ہو گی۔

مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے شفاعت:

کبھی شفاعت درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے اس قسم کی شفاعت کو سب اسلامی مذاہب نے قبول کیا ہے۔

کبھی شفاعت گناہوں کی مغفرت کے لئے ہوتی ہے اس قسم کی شفاعت کو بعض نے مثل معتزلی اور خوارج قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں اگر کوئی جہنم میں داخل ہو جائے کیسے ہو سکتا ہے وہ اس دوزخ سے باہر آ جائے۔(۱۵)) (جو شخص اچھی بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو بری بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ بھی اس میں سے کچھ حصہ پائے گا(۱۶)

شفاعت کرنے والوں کی شرائط:

تین قسم کی خصوصیت رکھنے والے لوگ قرآن کی نظر میں شفاعت کر سکتے ہیں۔

(1) خدا پہ ایمان ہو اور خلایق کے اعمال سے آگاہ ہو

۔ اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کچھ اختیار نہیں رکھتے سوائے ان کے جو علم رکھتے ہوئے حق کی گواہی دیں۔ (۱۷)

(2) اذن خدا رکھتے ہوں

۔ اس روز شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے۔ (۱۸)

(3) خدا کے نزدیک عہد و پیمان رکھتے ہوں۔ وہ ہر گز مالک شفاعت نہیں ہیں مگر وہ جو خدا کے نزدیک عہد و پیمان رکھتا ہو۔ (۱۹) رسول خداؐ فرماتے ہیں اولین نفر میں ہوں جو شفاعت کروں گا اور اولین میں ہوں جس کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا (۲۰)

پیغمبر اکرم ص کی شفاعت کو شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے متعدد روایات میں ذکر ہوا ہے کہ نبی ﷺ لی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ان لوگوں کو بھی شامل حال ہوگی جو گناہ کبیرہ سے آلودہ ہونگے۔

بحار الانوار میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: امام باقر علیہ السلام نے ابو ایمن کے جواب میں کہا جبکہ اس نے کہا اے ابا جعفر، آپ لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ اور ہمیشہ کہتے ہیں شفاعت محمد شفاعت محمد۔ امام اتنے ناراحت ہوئے درحالی کہ چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا اور فرمایا ویل ہو اور وائے ہو تم پر اے ابا ایمن آپ کو آپ کے شکم کی عفت اور شہوت نے مغرور کر دیا ہے۔ اگر تم قیامت کا وحشتناک میدان دیکھتے تو حتما آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی طرف محتاج ہو جاؤ گے۔ ویل ہو تم پر آیا شفاعت مگر اس کے لئے ہے جس پر جہنم واجب ہو؟ اس ٹائیم فرمایا کوئی بھی اول سے آخر تک نہیں ہے جو قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا محتاج نہ ہو۔ (۲۱)

خداوند عالم سورہ ضحیٰ میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے «وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى» (۲۲) حقیقتاً آپ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔

خداوند متعال اس آیت کے ذریعے اپنے نبی مکرمؐ کو فرما رہا ہے کہ اے میرے حبیبؐ آپ کا بخت و دولت و اعتبار اور مقام اخروی اس جہان سے بہت برتر اور بالا ہوگا۔ اگر آج لوگ آپ کو طعنہ دے رہے ہیں اور مسخرہ کر رہے ہیں آپ ثابت قدم رہیں اور نالایمات سے نا ڈرنا کیوں کہ تاریخ حق کی معرفی اور باطل کو رسوا کرتی ہے اور قیامت کے دن وہ لوگ اس رسوائی کو دیکھیں گے۔ اور آپ کے پیروکاران منکرین و دنیاطلبوں پر برتری اور نیکی کو دیکھیں گے۔ اور یہ جان لو کہ قیامت کے دن آپ کا نام میرے نام کے ساتھ دنیا کی ہر جگہ گونجے گا اس انداز میں آپ کا نام ہوگا۔

خداوند متعال آگے فرماتا ہے «وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰ» (۲۳) انقریب خدا آپ کو اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ شاد ہو جاؤ گے۔

یہ آیت پیغمبر اسلامؐ کو بشارت دے رہی ہے کہ نبی ﷺ لی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ایسی چیز اعطا کی جائے گی جو رسول خدا کی رضا و خوشنودی کو جلب کرے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام اس عطیہ کی ایک تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ چیز جو رسول خدا کی رضا کو تامین کرے گی وہ اذن ہے جو خداوند متعال نے امت مسلمہ کی شفاعت کے لئے رسول خدا کو عطا کیا ہے۔ نقل ہوا ہے کہ ایک وقت رسول خدا نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور آنسوں جاری ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان مبارک پر یہ کلمات «امتی امتی» لائے۔

اس وقت جبرائیل علیہ السلام نے رسول خدا کی اس امت کی عاقبت کی پریشانی کا مشاہدہ کیا یا یوں کہوں کہ جبرائیل امین نے نبی مکرم کی اپنی امت سے محبت کا مشاہدہ کیا تو خداوند متعال کی جانب سے رسول خدا کو اپنی امت کی شفاعت کی بشارت دی۔ کہ آپ کی رحمت اور شفاعت روز آخرت امت مسلمہ کو شامل حال ہو گی۔ (۲۴(

رسول خدا کی رحمت جو جہان آخرت میں استمرار ہے جس کا نام شفاعت ہے۔ خود رسول اللہؐ کی حدیث مبارک ہے جس پر شیعہ سنی متفق ہیں اور یہ حدیث صحیح السند ہے «ذخرت شفاعتی لاہل الکبائر من امتی» میری شفاعت میری امت میں سے ان کو بھی شامل حال ہوگی جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونگے۔

جب حضرت مآبؐ کو بشارت ملی جو جبرائیل امین لیکے آئے تھے۔ تو نبی ﷺ لی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے لئے یہی خوشخبری کافی ہے اور یہ بشارت میری رضامندی و خوشنودی کو جلب کرے گی (۲۵)۔

امت مسلمہ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ روز محشر محمد مصطفیٰ رحمۃ للعالمینؐ ضرور شفاعت کریں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو نبی کریمؐ ہمیشہ اپنی امت کے لئے دعا کرتے رہے ہیں اور وہ قیامت کے دن شفاعت ناں کرے۔

جب کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے قصے قرآن مجید میں پڑھتے رہتے ہیں کہ جب انکی امتوں نے ہٹ دھرمی کی اور دعوت حق کو قبول نہ کیا حتی اپنے وقت کے انبیاء پر ظلم کیا بالآخر ان چیزوں کا نتیجہ یہ نکلا ان قوموں پر انبیاء کی بدعا کی وجہ سے عذاب خدا نازل ہوا لیکن میں قربان جاؤں ہمارے پاک پیغمبرؐ کی ذات مقدس پر کہ بے انتہاء امت نے اذیتیں دیں ایذا رسانی کی لیکن کبھی بھی اپنی امت کے لئے بدعا نہیں کی بلکہ رحمۃ للعالمین اپنی امت کے لئے دعا کرتے نظر آتے تھے [اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ] یا اللہ میری قوم کی ہدایت فرما کہ یہ نہیں جانتے (۲۶)

خداوند متعال سے دعا ہے بحق محمد وآل محمدؐ ہمیں اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے اور محمد وآل محمد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

منابع و مآخذ:

1۔ بحارالانوار، ج۶، ص۱۹
۲۔ سورہ انبیاء، ۲۸
۳۔ سورہ یونس، ۱۸
۴۔ سورہ اسراء، ۷۹
۵۔ سورہ بقرہ، ۲۵۴
۶۔ سورہ زمر، ۴۴
۷۔ سورہ یونس، ۳
۸۔ سورہ یونس، ۳
۹۔ سورہ طہ، ۱۰۹
۱۰۔ سورہ انبیاء، ۱۲۸
۱۱۔ سورہ نجم، ۲۶
۱۲۔ سورہ بقرہ، ۲۵۵
۱۳۔ سورہ سبأ، ۲۳
۱۴۔ ھمان، ۴۹۵
۱۵۔ زمخشری، ج۱، ص۱۵۲
۱۶۔ سورہ نساء، ۸۵
۱۷۔ سورہ زخرف، ۸۶
۱۸۔ سورہ طہ، ۱۰۹
۱۹۔ سورہ مریم، ۸۷
۲۰۔ ترمذی، ج۵، ص، ۵۸۷
۲۱۔ بحارالانوار، ج۸، ص۳۸
۲۲۔ سورہ ضحیٰ، ۴
۲۳۔ سورہ ضحیٰ، ۵
۲۴۔ الصحیح، ج۱، ص۱۳۲
۲۵۔ ابوالفتوح رازی، روح جنان، ج۲۰، ص۳۱۱
۲۶۔ بحارالانوار، ج۳۵، ص۱۷۷

رسول کریمؐ وسلم کی روش تبلیغ

مشتاق علی۔ جامعۃ الکوثر اسلام آباد

''یایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا '' (سورۃ احزاب ۴۵) اے نبی ! ہم نے آپ کو بشیر اور نوید دینے والا, نذیر اور خطرے کی نشاندہی کرنے والا (اور خدا کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور نورانی چراغ بنا کر) بھیجا ہے۔

اللہ پاک نے حضور گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عہدہ الٰہی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تبلیغ انتہائی جاذب تھا کہ بہت کم عرصے میں اچھی خاصی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

بہت سارے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار اور اخلاق سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

تاریخ میں آیا ہے کہ حضور پاک نے یمن کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لئے معاذ بن جبل کو بھیجا تو انہیں یہ تائید کی کہ : یا معاذ بشر ولا تنفر۔یسر ولا تعسر۔

تم اسلام کی تبلیغ کے لئے جا رہے ہو۔ تمہارے کام تبشیر ترغیب اور خوشخبری پر ہونی چاہئے۔ ایسا کام کرنا کہ لوگ اسلام کی خوبیوں کو محسوس کرے اور شوق و رغبت کے ساتھ اسلام کی طف رخ پھیریں۔

جس بات کی طرف حضور پاک نے توجہ دلائی وہ یہ کہ "بشر" "ولا تنفر" ایسا کام نہ کرنا کہ جس سے لوگوں کو اسلام سے دور اور متنفر کردے بات کو اس طرح بیان نہ کرنا کہ لوگوں کا باطنی رد عمل اسلام سے فرار کی صورت میں سامنے آئے۔

سیرت نبوی کے مطالعہ سے دعوت نبوی کے تمام مراحل پس پردہ وسری دعوت, اعلانیہ و جہری دعوت, اجتماعی و انفرادی دعوت, اسلوب دعوت, مبادیات و ترجیحات دعوت وسائل, مخالف و معاند فضا میں دعوت اور سازگار و موافق ماحول میں دعوت۔ یہ تمام پہلو نمایاں اور واضح ہو جاتے ہیں۔

مکی عہد نبوت کے تیرہ سالوں میں مرحلہ وار دعوت حق کو آپ ص نے پیش فرمایا۔

۱. دعوت کا پہلا مرحلہ مخفی دعوت:

اولین مرحلہ دعوت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر اور قریبی ساتھیوں کو ایمان واسلام کی دعوت دی۔

پس پردہ دعوت کے تین سالوں میں بھی اچھی خاصی تعداد ایمان لے آئی۔ تین سال تک دعوت کا کام خفیہ اور انفرادی رہا اور اس دوران اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہو گئ جو اخوت اور تعاون قائم تھی اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہی تھی اور اس پیغام کو اس کا مقام دلانے کے لئے کوشاں تھی۔

دعوت کے دوسرے مرحلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کی دعوت دی۔

مکی دور کے اہم مراکز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا گھر۔ دار ارقم۔ صحن حرم۔ مکہ مکرمہ کی گھاٹیاں۔ ام القری اور اس کے ارد گرد کے تمام قبائل حج کے موقع پر آنے والے تمام قبائلی وفود جو مکہ میں قیام کرتے۔ مکی عہد ہی میں مدینہ تک دعوت اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام نہایت حکمت وتدبر اور بتدریج کے ساتھ فرمایا۔

۲۔ دعوت نبوی کا دوسرا مرحلہ "دعوت ذوالعشیرہ":

وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء ۲۱۴) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا دیں۔

ابتدائی خفیہ دعوت کے تین سال کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند مخلص اور بہادر ساتھی مل چکے تھے۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ اس دعوت کا کھلے عام اعلان کیا جائے اور اس کے نتیجے میں جو مخالفتیں آجائے وہ قابل برداشت تھا اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی مناسب وقت میں کھلے عام دعوت کا اعلان ضروری سمجھا۔ اللہ پاک کی حکمت و منشا بھی یہی تھی اسلئے اللہ نے حکم دیا کہ: وانذر عشیرتک الاقربین۔

۳۔ دعوت کا تیسرا مرحلہ "اعلانیہ دعوت":

جب خفیہ دعوت کے ذریعے سے قیمتی اور مخلص لوگ میسر آگئے جن کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوصلہ بڑھا اور عزم مزید پختہ ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی وادی کوہ صفا پر چڑھ کر آواز لگائی! یا صباحاہ (ہائے صبح) عرب لوگ خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے یہ آواز لگاتے تھے۔ یہ سن کر عرب کے قبائل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد جمع ہوگئے تب آپ نے انہیں اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت پیش کی۔

۴۔ دعوت کا چوتھا مرحلہ "بیرون مکہ دعوت":

عرب کے مختلف قبائل کو دعوت حق آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی سیرت اور کردار کو بطور نمونہ اور دلیل پیش کیا۔ ارشاد باری تعالی ہے۔۔۔

وکذالك اوحینا الیك قرآنا عربیا لتنذر ام القری ومن حولها وتنذر یوم الجمع لا ریب فیه فریق فی الجنة وفریق فی السعیر (سورۃ الشعراء)

اور اسی طرح ہم نے عربی قرآن تیری طرف وحی کی تاکہ تو بستیوں کے مرکز (مکہ) کو ڈرائے اور ان لوگوں کو بھی جو اس کے ارد گرد ہیں اور تو اکھٹا کرنے کے دن سے ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں ایک گروہ جنت میں ہوں گے اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر اذیتیں پہنچائی کہ جن کا متعلق وہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں ثقیف قبیلہ سے نصرت وحمایت کے حصول اور قریش کی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے اسلام قبول کرنے کے بھی امیدوار تھے۔

جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے تین سردادوں کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن کے نام یہ تھے: عبد یالیل، مسعود اور حبیب ان کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ آپ نے ان کے پاس بیٹھنے کے بعد انہیں اللہ کی اطاعت اور اسلام کی مدد کی دعوت دی اور اپنی آمد کی وجہ بتائی کہ میں آپ سے اسلام کے معاملہ میں تعاون چاہتا ہوں قریش کے مقابلہ میری مدد کریں اور اس دعوت میں میرا ساتھ دیں اور لوگوں سے میرا تحفظ کریں لیکن اتنے بد قسمت لوگ تھے پھر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوئے۔

حوالہ جات:

۱۔ سورہ احزاب ۴۵ ۲۔ سورہ شعراء ۲۱۴
۳۔ سیرت نبویؐ، شہید مرتضی مطہری ۴۔ دعوت وارشاد۔۔ ڈاکٹر محمد سجاد

چوتھا حصہ

ترجمہ

رسول اکرمؐ کی ولادت اور نور ہدایت

حضرت آیت اللہ خامنہ ای
مترجم: سید کوثر عباس موسوی
Kosar Mousavi79@gmail.com

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ولادت کا واقعہ صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت کے لئے راستہ متعین کرنے والا راستہ ہے۔تاریخ کی روشنی میں ولادت باسعادت کے وقت جو واقعات رونما ہوئے وہ خود اس مولود کے معنی ومفہوم کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ولادت باسعادت کے وقت دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود کفر وشرک کی نشانیوں میں ڈراڑیں پڑ گئیں۔

فارس کا آتشکدہ جو پچھلے ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا آپ کی ولادت کے ساتھ ہی بجھ گیا۔عبادت خانوں میں رکھے گئے بت یکایک سرنگوں ہونا شروع ہوگئے۔ معبدوں کے راہب اور خادم یہ حالت دیکھ کر حیران وپریشان رہ گئے کہ یہ کیسا وقعہ ہے! یہ کفر وشرک اور مادہ پرستی کے جسم پر اس ولادت کا علامتی وار تھا۔دوسری طرف اس دور کے ظالم وجابر اور مشرک ایرانی سلطنت بھی سانحے کا شکار ہوئی۔مدائن کے شاہی محلات کے ستون (چودہ ستون) گرنے لگے۔جو اس بات کی دوسری علامت تھی کہ یہ ولادت دنیا میں ظلم وسرکشی اور طاغوت سے پیکار کا مقدمہ ہے۔آپ کی ولادت باسعادت میں جہاں انفرادی طور پر انسانوں کی فکری اور قلبی ہدایت کا پہلو مضمر ہے

وہی اجتماعی لحاظ سے معاشرے کی عملی ہدایت وراہنمائی، دنیا میں ظلم وجور سے پیکار اور طاغوتی طاقتوں سے مقابلے کا علامتی پہلو بھی نمایاں ہے۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اس دور کے حالات کو بیان کیا ہے (جس دور میں اس روشن آفتاب یعنی) آپ کے وجود اقدس کا نور طلوع ہوا تھا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں: "والدنیاکاسفۃالنور ظاہرۃالغرور" دنیا میں نور کا وجود نہ تھا۔انسان اندھیرے میں زندگی بسر کر رہے تھے، ہر طرف جہالت، ظلم وجور اور گمراہی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔البتہ ان تمام ظلمتوں اور تاریکیوں کا مرکز وہ مقام تھا جہاں آپ کی ولادت ہوئی تھی اور بعد میں مبعوث بہ رسالت ہوئے یعنی جزیرۃ العرب بالخصوص مکہ تمام برائیوں، گمراہیوں اور تاریکیوں کا مرکز تھا۔جہاں فکری اور اعتقادی انحرافات، شرک وبت پرستی کے علاوہ تند خوئی اور سنگ دلی کے وہ دلخراش مناظر دکھائی دیتے تھے کہ تاریخ میں جن کی مثال نہیں ملتی۔

قرآن مجید اس دور کے حالات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: واذاس بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسوداوھو کظیم یتواری من القوم من سؤ مابشر بہ،ایسکہ علی ھون ام یدسہ علی التراب۔آلا ساء مایحکمون۔(النحل۔آیت ۵۸ و۵۹) اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پینے لگتا ہے، قوم سے منہ چھپاتا ہے کہ بہت بری خبر سنائی گئی ہے۔اب اس کو ذلت سمیت زندہ رکھے یا خاک میں ملادے یقینا یہ لوگ بہت برا فیصلہ کر رہے ہیں۔۔۔

یہ پیغمبر کے دور میں انسانی اخلاق کا ایک نمونہ ہے لیکن آپ کی بعثت کے ساتھ ہی یہ حالات بدل گئے: "وکان بعدہ ھدی من الضلال ونورا من العمی" بشریت جو اندھی تھی بینا ہو گئی۔دنیا جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔آپ کے وجود پر نور سے منور ہو گئی۔یہ آپ کی ولادت اور بعثت کا فلسفہ ہے۔نہ صرف ہم مسلمان اس نعمت الٰہی کے مرہون منت ہیں بلکہ پوری انسانیت اس عظیم نعمت الٰہی کی مرہون منت ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے باوجود آپ کے پیغام ہدایت وراہنمائی نے ابھی تک پوری انسانیت کا احاطہ نہیں کیا ہے۔لیکن (ہدایت وراہنمائی) کا یہ روشن چراغ ہمیشہ انسانوں کے درمیان موجود رہا ہے اور اتنی صدیوں سے انسانیت کو آہستہ آہستہ اس نور کی طرف ہدایت کر رہا ہے۔

آپ تاریخ میں حضور اکر صلی اللہ۔۔۔ کی ولادت اور بعثت کے بعد کے زمانے کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ انسانیت نے اخلاقی قدروں کی راہ میں مسلسل آگے کی طرف ہی قدم بڑھایا ہے اور ان اقدار کی معرت میں نمایاں پیشرفت کی ہے۔آہستہ آہستہ اس کا دائزہ اور وسیع ہو جائے گا اور روز افزوں اس میں شدت آتی جائے گی۔ یہاں تک کہ ایک دن یہ نور پوری دنیا میں پھیک جائے گا۔: ''لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون'' (توبہ۔آیت ۳۳) یعنی آج دین پوری دنیا پر چھا جائے گا اور پوری انسانیت اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم اور راہ ہدایت پر گامزن ہو جائے گی اور حقیقی معنوں میں انسانی زندگی کا آغاز بھی اسی دن سے ہوگا۔ جس دن لوگوں پر حجت خدا اتمام ہو گی اور بشریت اس عظیم شاہراہ پر گامزن ہو جائے گی۔

ہم امت مسلمہ ہونے کے ناطے آج اس عظیم نعمت سے مالامال ہیں لہٰذا ہمیں اس نعمت الٰہی سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ہمیں اپنے دل ودماغ،اپنے دین طرز فکر،اپنی دنیا،اپنی زندگی اور ماحول کو دین اسلام کی مقدس تعلیمات کی برکت سے منور کرنا چاہیے۔چونکہ یہاں نور اور بصیرت موجود ہے لہٰذا ہم اپنے آپ کو اس کے قریب کرکے اس کی تعلیمات سے مستفید ہو سکتے ہیں اور ایسا کرنا ہم مسلمانوں کی عمومی ذمہ داری ہے۔

پیغمبر اکرمؐ ہر زمان و نسل کے لئے نمونہ عمل

علی اکبر مؤمنی
ترجمہ: شعبہ تحقیق مجمع طلاب شگر

بعض خیال کرتے ہیں کہ زمانے اور طرز زندگی کی تبدیلی کے ساتھ اخلاقی ومعنوی اقدار بھی تبدیل ہوتے ہیں۔اور اچھائی برائی میں تبدیل ہوتے ہیں۔ جبکہ جو چیز تبدیل ہوتی ہے وہ زمان ومکان کا عنصر اور وسائل ہیں۔ جن میں یہ اخلاقی مفاہیم وجود وظاہر ہوتے ہیں۔

حق تقوی، احسان، سچ، صبر، حیا، عفت اور پاکدامنی جیسے مفاہیم ہمیشہ سے پسندیدہ اور قابل تعریف رہے ہیں۔اور باطل، جھوٹ، بے حیائی اور ان جیسے مفاہیم ہر زمانے میں ناپسندیدہ اور انسانی فطرت کے ساتھ ناسازگار تھے۔

اس موضوع کو ایک مثال کی شکل میں بہتر انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ بعض وہ لوگ جو پرانے وقدیم زمانے میں زندگی کرتے تھے اور نیک صفات سے مزین تھے اور انسانی معاشرہ کے لئے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔آج بھی ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارے زمانے میں بہت سی علمی ترقی وجود میں آئی ہیں۔ طرز زندگی، لباس اور اس جیسی چیزیں تبدیل ہوئی ہے۔ لیکن اخلاقی فضائل کو ہمیشہ نیکی کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

یا کسی نے سالہا سال قبل کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔اور اس کے تعاقب جاری ہے۔ کئی سال کے بعد جب اس کے بدن کے تمام سلول تغییر پیدا کیا ہو، اس کے بدن میں ظاہری تبدیلی

مکمل طور پر نمایاں ہے۔اس کے لباس،زندگی کے امکانات بھی دگرگوں ہوا ہو۔پھر بھی اس شخص کو مجرم ہونے کے لحاظ سے گرفتار اور سزا دی جاتی ہے۔

اس بنا پر زندگی کی فضا،شکل،امکانات،رنگ،مادی ظواہر،جدید ٹیکنالوجی،۔۔۔سبب نہیں بنتا کہ عفت،بے عفتی میں تبدیل ہوجائے،جھوٹ کو اچھا اور سچ کو برا سمجھیں۔۔

یہ بات طبیعی ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں امکانات اور وسائل الگ الگ رہے ہیں۔لیکن یہ سب فانی اور وقتی تھے۔جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم ہر زمانے میں زندگی کے اہداف کو فراموش نہ کریں۔اور توجہ رکھیں کہ امکانات کو اپنے کمال اور ہدف تک پہنچنے کے لئے استفادہ کریں۔

پیغمبر اور اہل بیت جیسے نمونے،تمام زمانوں میں ہمارے لئے بہترین آئیڈیل ہیں۔اگر وہ آج کے زمانے میں زندگی کررہے ہوتے تو یقینا آج کے وسائل سے استفادہ کرتے۔جبکہ وہ اسی معنوی اور اخلاقی شخصیت کے حامل ہوتے۔

انسان کی زندگی مقصد یہ ہے کہ خدا کے دستورات کی اطاعت کے سایے میں ہدایت کی جانب قدم بڑھائیں۔بالاخر انسانی کمال تک پہنچ جائیں۔اس لحاظ سے آج کے انسان اور آج سے سینکڑوں سال پہلے والوں میں کوئی فرق نہیں۔انسان زندگی کے ہر میدان میں کامیابی کے لئے آئیڈیل کا محتاج ہے۔اور انسان کا یہ آئیڈیل ہر حالت میں انسانی کمالات واقدار سے متصف ہونا چاہیے۔اسلام ہر زمانے کے لئے کامل اور دائمی دین اور قرآن ایک جامع،ہمیشگی اور بشریت کے تمام مسائل کا حل پیش کرنے والی کتاب ہے۔اس بنا پر اسلام کے قوانین وتعلیمات بھی ہمیشہ کے لئے ہیں۔اور پیغمبر بھی دائمی اور محکم نمونہ ہے۔قرآن کی طرح سنت پیغمبر بھی ہمیشہ تازہ ہے۔یہ کبھی فرسودہ نہیں ہوگا۔

یقینا پیغمبر اکرم تمام انسانیت کے لئے زندگی کے ہر میدان میں اعلیٰ وبہترین نمونہ ہے۔نیک اخلاق،اپنے غلاموں کے ساتھ مہربانی،اخلاص،عبادت،سادگی،نظم وضبط،منصوبہ بندی،

استقامت،عقلانیت، صبر، مشکلات کے مقابل برداشت،آپ کی حکومت اور مدیریت۔۔تمام مسکمانوں کے لئے سر مشق واقع ہو سکتے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ ہم پیغمبر اور ائمہ اہل بیت کی زندگی سے زیادہ سے زیادہ درس لیں۔ازمانے کا فاصلہ اس لحاظ سے کوئی اثر نہیں رکھتا۔

سورہ احزاب آیت ۲۱ میں پیغمبر کو اسوہ حسنہ کے عنوان سے پیش کیا ہے۔۔

اس آیت میں چند نکات قابل توجہ ہیں۔

۱۔"فی رسول اللہ" یعنی پیغمبر کی زندگی ور فتار نمونہ ہے۔یہ جملہ اس چیز کی جانب اشارہ ہے تم پیغمبر کی طرح نہیں بن سکتے لیکن اس کے رفتار، سیرت کو اپنے لئے آئیڈیل قرار دے سکتے ہو۔

۲۔آیہ شریفہ میں کلمہ لقد قطع ویقین ہر دلالت کرتا ہے۔قطعاً پیغمبر نمونہ ہے۔جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

۳۔"کان" اس آیت میں استمرار ودوام پر دلالت کرتاہے۔جس کا معنی یہ ہے کہ پیغمبر ہر زمانے کے تمام ان س انوں کے لئے آئیڈیل ہے۔

۴۔اس کے بعد آیت ان لوگوں کی تین خصوصیات بیان کرتی ہے جو سیرت پیغمبر کو نمونہ قرار دیتے ہیں۔وہ صفات خدا کی رحمت اور قیامت پر پر امید اور خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنا۔

طبیعی بات ہے کہ خدا اور قیامت پر ایمان ہی پیغمبر کی راہ پر قدم اٹھانے کا سبب بن سکتاہے۔اور یاد خدا کے ذریعے اس راہ کو تسلسل وجاری رکھ سکتے ہیں۔بصورت دیگر انسان پیغمبر کی اقتداپر قادر نہیں اور پیغمبر کے نقش قدم پر نہیں چل سکتا۔

پانچواں حصہ

معرفی کتب: سیرت النبی

مرحوم علامہ سید جعفر مرتضی عاملی کی کتاب "اَلصَّحیح مِنْ سیرَۃِ النَّبیِّ الْاَعْظَم ﷺ" کا تعارف

فرمان علی سعیدی شگری

سید جعفر مرتضی عاملی (۱۳۶۴_۱۴۴۱ق) ایک معروف عالم دین، تاریخ اسلام و جہان تشیع کا ماہر و متخصص اور سیرہ نگار تھے۔ ان کا تعلق لبنان سے تھا۔

آپ نے حوزہ علمیہ نجف اشرف و قم سے تعلیم حاصل کی تھی۔ انہوں سیرت اہل بیت (ع) پر بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے الصحیح من سیرۃ النبی و ماساۃ الزہرا ہے۔ سید جعفر مرتضی عاملی ۲۵ صفر ۱۴۴۱ق کو وفات پاگئے۔ سید جعفر مرتضی عاملی نے آیت اللہ شبیری زنجانی، مرتضی حائری اور میرزا ہاشم آملی سے کسب فیض کی۔

مرتضی عاملی کی علمی و اجتماعی فعالیتیں:

ان کی اہم فعالیتوں میں سے جب آپ شہر قم میں زندگی گزار رہے تھے، شیعہ تاریخ و عقائد کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرنے کے لئے، "منتدی" یا "مدرسہ جبل عاملیوں" کی بنیاد رکھی۔ اس کے علاوہ آپ تربیت مدرس یونیورسٹی کے ایم فل کے اسٹوڈنس کو پڑھاتے تھے۔ ان سالوں میں آپ تدریس کے علاوہ، لبنانی طلاب کو تحقیقاتی و تعلیمی مشورے پر دیتے تھے۔ مرتضی عاملی ۲۵ سال

تک شہر قم میں زندگی گزاری، اس کے بعد آپ ۱۹۹۳م کو واپس لبنان چلے گئے اور اپنی تعلیمی_ تحقیقاتی اور تربیتی کاموں کو "ضاحیہ بیروت" میں جو کہ اس وقت اسرائیل کے زیر تسلط تھا، جاری رکھا۔ان سالوں میں سید جعفر مرتضی عاملی نے تاریخ کے موضوع پر تحقیق کے لئے بیروت میں ایک تحقیقاتی مرکز کی بنیاد رکھی۔ اس مرکز میں شیعہ جوانوں کے لئے مختلف موضوعات پر کلاسیں رکھی۔ اس طرح آپ نے لبنانی شیعوں کا ایک مذہبی گروپ وجود میں لایا۔نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے لبنان میں ایک حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی تاکہ شیعوں کو عقائد وغیرہ کی تعلیم دی جائے۔جب آپ لبنان میں تشریف لائے تو امامت و ولایت کا دفاع اور اسی طرح اعتقادی شبہات کا جواب دینا آپ کے اہم کارناموں میں سے ہے۔

"اَلصَّحِیح مِنْ سیرَۃِ النَّبِیِّ الْاَعْظَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی خصوصیات:

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور ۳۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔ گرچہ شیعہ علماء و محققین نے مختلف انداز اور زاویوں سے رسول گرامی اسلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہیں اور دسیوں کتابیں پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں لکھی جاچکی تھی لیکن اہل سنت کی مختلف کتابیں منجملہٖ "سبل الہدی" اور "سیرہ ابن ہشام" کے سطح و لیبل کی کتابیں اب تک شیعوں میں نہیں پائی جاتی تھی اور اس حوالہ سے ایک خلا پایا جاتا ہے، مرحوم سید جعفر مرتضی عاملی (رح) نے ۳۵ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھ اس خلا اور خالی جگہ کو پر کردیا۔اس کتاب کو مرحوم نے تنقیدی نگاہ سے لکھا ہے۔جیساکہ اس کتاب کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو روایات و احادیث پیغمبر کی سیرت کے بارے میں نقل ہوئی ہے ان روایات کے صحیح و سقم کی بررسی و چھان بین کرنے کی کوشش کی ہیں۔ اَلصَّحِیح مِنْ سیرَۃِ النَّبِیِّ الْاَعْظَمؐ میں سید جعفر مرتضی عاملی نے حضرت محمدؐ کی سیرت کے بارے میں کمروز اور ضعیف روایات کو صحیح روایات سے الگ کی ہے۔ مرتضی عاملی نے ایک شیعہ ہونے کی وجہ سے شیعہ اعتقادات کے تحت اپنی نظریات کو بیان کی

ہے۔ اور اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے مصنف نے فریقین کے ۱۶۸۳ کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کرکے اپنی کتاب کے لئے مواد جمع کیا ہے۔ اس کے بعد روایات اور تاریخی واقعات کی کسوٹی کو قرآن قرار دیا ہے۔ یعنی جو چیز قرآنی آیات کے برخلاف ہو اسے رد کر دیا ہے۔

''اَلصَّحِیح مِنْ سیرَۃِ النَّبِیِّ الْاَعْظَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی روش:

سید جعفر مرتضی عاملی نے ایک خاص روش کے ساتھ اپنی کتاب کو لکھا ہے۔ انہوں بعض تاریخی واقعات کو ایک خاص اسلوب و روش کے تحت لکھا ہے اور یہ خصوصیت اس کتاب کو دوسری کتابوں سے جدا کی ہے۔ مؤلف نے ایک تاریخی واقعۂ کو بیان کرنے کے لئے، مختلف روایات اور تاریخی واقعات کو مختلف منابع سے نقل کی ہے اس کے بعد اخبار کی شناخت کا خاص معیار کے ساتھ، مختلف زاویوں سے ان روایات اور تاریخی واقعات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ان سب کا صحیح و غلط ہونے کا معیار قرآن قرار دیا ہے، اسی کو سب سے صحیح اور کامل راستہ قرار دیتا ہے کیونکہ قرآن میں کوئی باطل نہیں پایا جاتا ہے۔ آپ نے صحیح اور ضعیف روایات اور تاریخی واقعات کی تشخیص کے لئے ۵۰۰ سے زیادہ قرآنی آیات سے استناد کیا ہے۔

اس کتاب میں مرحوم سید جعفر عاملی نے مکی اور مدنی واقعات کو تاریخی ترتیب اور سال شمار روش و شیوۂ کے تحت بیان کیا ہے۔ بنابراین انہوں نے تاریخ اسلام کے تمام واقعات و حادثات کو تمام جزئیات کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ، تمام تاریخی گزارشات کو تنقیدی اور تحلیلی زوایۂ سے بیان کی ہے۔

ترجمہ اور تلخیص:

جناب محمد سپہری نے اس کتاب کا فارسی میں دو جلدوں میں " سیرت جاوانہ "کے عنوان سے فارسی ترجمہ و تلخیص کیا ہے۔ اور اسی کو دانشمندوں اور مؤرخین نے کافی پسند کیا اور "کتاب سال جمہوری اسلامی ایران" کا انعام بھی حاصل کیا۔

منابع:

مرتضی العاملی، سید جعفر، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ، قم، دار الحدیث، ۱۴۲۶ق۔
سپھری، محمد، سیرت جاودانہ، تہران، پژوھشگاہ فرہنگ واندیشہ اسلامی، ۱۳۸۴ش۔
محمدی، علی، جایگاہ "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمؐ، در سیرہ نگاری پس از انقلاب اسلامی، پژوہش و حوزہ، بھار ۱۳۸۱ش، شمارہ ۹۔

سیرت نبی پر اردو میں دستیاب بعض اہم کتابیں :

۱۔اسوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، رہبر انقلاب آیت اللہ سید علی خامنہ ای
۲۔ سیرت نبوی ایک مطالعہ، استاد مرتضی مطہری
۳۔فروغ ابدیت (سیرت النبی) ،آیت اللہ جعفر سبحانی
۵۔ سیرت مصطفیؐ، ہاشم معروف حسنی
۶۔ تاریخ اسلام، علی نقی نقن
۷۔ تاریخ اسلام، فروغ کاظمی
۸۔ تاریخ اسلام، اہل قلم کی ایک جماعت
۹۔ تاریخ اسلام، مہدی پیشوائی
۱۰۔ منارہ ہدایت، منذر حکیم (سلسلہ اول۔۱)
۱۱۔ نبوت امام خمینی کے آثار میں
۱۲۔ سیرت النبی (۵-۳ جلد) ،طالب حسین کرپالوی
۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکری وسیاسی زندگی رسول جعفریان
۱۴۔ ختم نبوت ،استاد مرتضٰی مطہری

چھٹا حصہ

مقالات

نبی اکرم ﷺ کی معرفت بذریعہ قرآن

نذر حافی

nazarhaffi@gmail.com

دینِ اسلام نے ہمیں پیغمبرِ اسلامؐ کی سیرت کے مطابق اعمال انجام دینے کا حکم دیا ہے۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم بانی اسلام ﷺ کی معرفت کے بغیر زندگی گزارنے کے بجائے قرآن مجید سے اُن کی حقیقی معرفت حاصل کریں۔ یعنی ہمیں اپنے خود ساختہ ذہنی مفروضات اور کہنہ عقائد پر قائم رہنے کے بجائے قرآن مجید کی نورانی و ملکوتی آیات سے اپنے پیغمبر ﷺ کی معرفت حاصل کرنی چاہیئے۔ اب ظاہر ہے کہ ہمیں جتنی پیغمبرِ اسلامؐ کی معرفت ہوگی، ہم اتنا ہی اُن کی سیرت پر عمل کریں گے۔ بانی اسلام کی معرفت کا ایک اہم اور قطعی منبع (Definite source) قرآن مجید ہے۔ چونکہ ہمارے ہاں کسی بھی چیز کے بارے میں قرآن مجید سے معرفت اور شناخت حاصل کرنے کا رجحان کم ہے، چنانچہ بانی اسلام ﷺ کی بھی جو کچھ شناخت ہمیں ہے، اُس کا زیادہ تر انحصار قرآن مجید کے علاوہ دیگر کتب اور ہمارے اپنے قلبی تمایلات پر ہے۔ اس تحقیق میں نبی اکرم ﷺ کی معرفت کو قرآنی نکتہ نظر سے بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ البتہ اس سے پہلے معرفت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

معرفت (True Justified belief):

معرفت یعنی درست شناخت (سچائی پر مبنی عقیدہ)۔ جس انسان کو کسی نظریئے، عقیدے یا شخصیت کی درست شناخت نہ ہو، وہ اس کی تعلیمات کے مطابق عمل بھی درست نہیں کر سکتا۔ گویا انسان کی باطنی معرفت (Esoteric cognition) اُس کے ظاہری عمل کی عمر اور حدود اربعہ طے کرتی ہے۔ معرفت جتنی گہری ہوتی ہے، عمل اتنا ہی پائیدار ہوتا ہے۔ آسان لفظوں میں کسی بھی شخص پر اُس کے عقیدے کی سچائی جتنی آشکار ہوتی ہے، وہ اُس پر عمل کا بھی اتنا ہی پابند ہوتا ہے۔ اِس رو سے معرفتِ نہائی اور عملِ بلا فصل جُزوِ لاینفک ((Indivisible)) ہیں۔

نمونہء عمل کی معرفت کی اہمیت:

کسی بھی قوم کا رہبر و رہنماء اس کے لئے نمونہء عمل (Role model) ہوتا ہے۔ اقوام اپنے رہبر کے نقشِ قدم پر چل کر ہی تعمیر و ترقی کی منازل طے کرتی ہیں۔ گویا کسی قوم کے قائد کے نقوشِ زندگانی ہی اپنی قوم کے لئے چراغِ ہدایت ہوتے ہیں۔ قائد اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں جس طور سے بھی زندگی گزارتا ہے، اس کا ہر لمحہ اپنی قوم کے لئے نشانِ علم و عمل بن جاتا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو امّت مسلمہ کے لئے قائد اور نمونہ عمل قرار دیا ہے۔ اب یہ مسلمانانِ عالم کی ذمہ داری ہے کہ وہ پیغمبرِ اسلام کی شخصیت اور حیاتِ مقدسہ کے تمام پہلوؤں کی معرفت حاصل کریں، تاکہ اس معرفت کے مطابق اعمال انجام دے سکیں۔ قرآن مجید صرف حضورؐ کو نمونہ عمل ہی قرار نہیں دیتا بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ آپؐ کی ولادت سے پہلے بھی گزشتہ اقوام کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کے بارے میں معرفت اور آگاہی عطا کی تھی۔ حضورؐ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی شخصیت کے لحاظ سے قرآنی آیات کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔

ولادت سے پہلے حضورؐ کی شخصیت:

قرآن مجید کے مطابق حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کے آنے کی بشارت آپ سے پہلے والے انبیا خصوصاً حضرت عیسیٰ نے دی ہوئی تھی۔اس حوالے سے ایک آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَاِذْ قَالَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَابَنِی اِسْرَائِیلَ اِنِّی رَسُولُ اللهِ اِلَیْکُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَاتِی مِنْ بَعْدِی اسْمُهُ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَائَهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُبِینٌ۔

اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد کے لئے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جس کا نام احمد ہے لیکن پھر بھی جب وہ معجزات لے کر آئے تو لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔[۱]

مندرجہ بالا آیت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے حضورِ اکرم کے آنے کی بشارت دی تھی۔

حضورؐ کی ولادت کو بشارت کہنے کی وجہ:

حضورِ اکرم کے دنیا میں تشریف لانے کو اس لئے بشارت کہا گیا ہے، چونکہ حضورِ اکرم اپنے سے پہلے والے انبیاء کے مقابلے میں نئے اور بلند مفاہیم و مطالب اور کامل و اکمل شریعت لے کر آئے ہیں۔اگر حضورِ اکرم نئے مفاہیم و معارف نہ لاتے یا گزشتہ انبیاء کے ہی ہم پلّہ شریعت لاتے تو ایسے میں یہ کوئی بشارت کی بات نہ تھی اور نہ ہی کسی نبی ضرورت تھی۔ حضرت عیسیٰ کا اپنی قوم کو حضورِ اکرمؐ کی آمد کی بشارت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حضورِ اکرمؐ گزشتہ انبیا سے اور قرآن مجید گزشتہ آسمانی کتابوں سے افضل و برتر ہے۔ جیسے نبی اکرمؐ کی ولادت کی قبل از وقت گزشتہ اقوام کو بشارت سنائی گئی ویسے ہی آپ کو قرآن مجید نے اوّلُ المسلمین بھی کہا ہے۔

حضورؐ کا اوّلُ المسلمین ہونا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ میں اوّلُ المسلمین (پہلا مسلمان) ہوں۔ خدا نے کسی اور پیغمبر کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم، رسول اکرم ﷺ سے پہلے دنیا میں تشریف لائے اور بزرگانِ انبیاء میں شمار ہوتے ہیں، خود رسول اکرم ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ "انا ابن الذبیحین" حضور ﷺ نے خود کو حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسمٰعیل کا فرزند قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود خدا نے حضرت ابراہیم کو اوّلُ المسلمین نہیں کہا۔ حضرت نوح شیخ الانبیاء ہیں اور حضرت آدم جو کہ ابولبشر ہیں، خدا نے انھیں بھی اس لقب سے منسوب نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کو ﷺ وقت اور زمانے کے اعتبار سے اوّلُ المسلمین نہیں کہا گیا، چونکہ حضور ﷺ سے پہلے بھی انبیاء اس دنیا میں موجود تھے۔ حضور ﷺ کو اس لئے اوّلُ المسلمین کہا گیا ہے، چونکہ آپ ﷺ مخلوقِ اوّل ہیں، یعنی آپ کی ذاتِ اقدس سب سے پہلے خلق ہوئی، چنانچہ اس لحاظ سے آپ اوّلُ المسلمین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضور ﷺ ہی محشور ہوں گے۔

خداوندِ عالم نے سورہ انعام کی آیت ۱۶۲ تا ۱۶۳ میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۶۲) لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (۱۶۳)

کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہے، جو عالمین کا پالنے والا ہے۔ (۱۶۳)

اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اسی طرح سورہ زمر کی آیت ۱۲ میں ارشاد پروردگار ہے: ”کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص عبادت کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں (۱۲) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے

پہلا مسلمان بن جاوں۔ قرآن مجید نے اس افضل ترین اور اوّل المسلمین پیغمبرؐ کو ہمارے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے"۔

حضورؐ بحیثیتِ نمونہ عمل:

قرآن مجید نے سورہ احزاب کی آیت ۲۱ میں حضور ﷺ کو تمام عالم کے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"تم میں سے اس کے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے، جو شخص بھی اللہ اور آخرت سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔"

اس آیہ مجیدہ میں نہ صرف یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کو نمونہ عمل قرار دیا گیا ہے بلکہ ان لوگوں کی شناخت بھی کرائی گئی ہے، جو حضور ﷺ کی اتباع اور پیروی کرنے والے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی پیروی نہیں کرتا اور حضور ﷺ کو اپنے لئے نمونہ عمل نہیں مانتا تو وہ دراصل اللہ سے غافل ہے اور روزِ آخرت سے ناامید ہے۔ پس اگر ہم اللہ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے ہیں اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم زندگی کے تمام سیاسی و اجتماعی و انفرادی معاملات میں بھی حضور ﷺ کی پیروی اور اطاعت کریں۔ چنانچہ سورہ حشر کی آیت ۷ میں ارشادِ پروردگار ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔

اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیدے، اسے لے لو اور جس چیز سے منع کردے، اس سے رک جاو اور اللہ سے ڈرو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔" رسول اکرم ﷺ چونکہ عالم بشریت کے لئے نمونہ عمل ہیں، اس لئے آپ ہر طرح کی لغزشوں سے پاکیزہ ہادی و رہبر ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے آپ کو بطورِ نمونہ عمل کس طرح متعارف کرایا ہے۔

لغزشوں سے پاکیزہ نمونہ عمل:

ہادی، رہبر، امام، قائد، اسوہ اور نمونہ ہر طرح کی غلطیوں سے پاکیزہ ہونا چاہیے۔ اگر ہادی غلطیاں کرے گا تو پھر لوگ بھی غلطیاں ہی کریں گے۔ ہادی اور امت میں بنیادی فرق ہی یہی ہے کہ ہادی ایسے عمل کرتا ہے کہ امت اس کے مطابق عمل کرکے غلطیوں سے محفوظ رہتی ہے۔ یہاں محفوظ رہنے سے مراد فقط انسان کی گفتگو میں غلطیوں سے حفاظت نہیں بلکہ اس کے تمام مراحلِ زندگی میں غلطیوں اور لغزشوں سے حفاظت ضروری ہے۔ چنانچہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَاِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۴) سے یہی مطلب بیان ہو رہا ہے کہ حضورﷺ کی تمام سیرت و حیات، عصمت و طہارت میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اسی طرح سورہ انعام کی آیت ۵۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى۔ "ہم تو صرف وحی پروردگار کا اتباع کرتے ہیں۔" چونکہ حضورﷺ نے صرف وحی کی پیروی کی ہے، اس لئے آپ کی تمام تر زندگی عصمت و طہارت کی آئینہ دار ہے۔ قرآن مجید نے حضورﷺ کی ذاتِ مقدس کو معصوم ہونے کے باعث تمام جہان کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔

نمونہ عملؐ کے معصوم ہونے کی دلیل:

قرآن مجید نے حضورﷺ کے کلام اور سکوت دونوں کو مرضیِ پروردگار کے تابع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سورہ نجم کی آیت ۳ اور ٤ میں ارشاد پروردگار ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۴) "وہ ہوائے نفس کے تحت نطق نہیں کرتا، اس کا نطق وحی ہوتا ہے۔"

یاد رہے کہ نطق سے مراد قول یا گفتگو نہیں ہے بلکہ نطق سے مراد سکوت و گفتگو ہر دو حالتیں ہیں۔ قانونی اختراعات اور سماجی مسائل کے بارے میں انسان جو کچھ بھی ہوائے نفس کے تحت کرتا ہے، وہ ناں ہی تو جامع اور کامل ہوتا ہے اور ناں ہی حق و عدالت کے تقاضوں پر پورا اترتا

ہے، لیکن اس کے بر عکس انسان جو کچھ وحی الٰہی کے تحت کرتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ جامع اور کامل ہوتا ہے بلکہ عین حق و عدالت بھی ہوتا ہے۔ پس پیغمبر اسلام ﷺ کی تمام گفتار و کردار میں وحی کا پرتو اور جلوہ ہے اور اس میں کسی بھی طرح سے ہوائے نفس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ قرآن مجید نے حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو پیکرِ عصمت قرار دیا ہے۔ اتنی بڑی شخصیت کے ساتھ قرآن مجید میں گفتگو بھی انتہائی مودبانہ اور محترمانہ انداز میں کی گئی ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضور ﷺ کے ساتھ کس لب و لہجے میں گفتگو کی ہے۔

اطاعتِ رسولؐ کی قرآنی اہمیت:

حضور ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے نہ صرف اپنی اطاعت قرار دیا ہے بلکہ محبوبِ خدا بننے کے لئے اطاعتِ پیغمبرِ اسلام ﷺ کو لازمی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سورہ آل عمران کی آیت ۳۱: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيم"۔

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا کہ وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔" جس طرح حضور ﷺ کی اطاعت کو قرآن نے خدا کی محبت اور بخشش و مغفرت کے لئے لازمی قرار دیا ہے، اسی طرح حضور ﷺ کی نافرمانی اور عدمِ اطاعت کو بھی خدا کی ناراضگی اور کفر قرار دیا ہے۔اس ضمن میں سورہ آل عمران کی ہی آیت ۳۲ ملاحظہ فرمائیں:

قُلْ اَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِين

"کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو کہ جو اس سے روگردانی کرے گا تو خدا کافرین کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہے۔" قرآن مجید نے حضور ﷺ کی اطاعت کرنے پر اس قدر تاکید کی ہے اور مومنین کو خبردار کیا ہے کہ ہرگز اپنے آپ کو رسول ﷺ پر مقدّم نہ کریں اور رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ سورہ حجرات کی آیت ۱ میں ارشاد پروردگار ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيم

"ایمان والو خبردار خدا اور رسول سے آگے نہ بڑھنا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

خداوندِ عالم نے جس طرح رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت کرنے والوں کو بھی انعامات و اکرامات کی بشارت دی ہے۔ اس سلسلے میں سورہ نساء کی آیت ٦٩ ملاحظہ فرمائیں:

وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا

"اور جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا، جن پر خدا نے نعمتیں نازل کی ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہی بہترین رفقاء ہیں۔" قرآنی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی رسول ﷺ کی اطاعت کئے بغیر اللہ کی اطاعت کا دم بھرے تو اصل میں وہ اطاعتِ الٰہی کا محض ڈھونگ رچا رہا ہے اور خدا کے نزدیک ایسے شخص کا اطاعت کا دعویٰ کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور ایسے لوگوں کو جہنّم میں دھکیلا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت ٦٦ میں ارشاد پروردگار ہے:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَالَيْتَنَا أَطَعْنَا اللهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ

"جس دن ان کے چہرے جہنم کی طرف موڑ دیئے جائیں گے اور یہ کہیں گے کہ اے کاش ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔"

قرآن مجید کے مطابق حضور ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی کو چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہے، چونکہ اطاعت کا تقاضا یہی ہے کہ حکمِ رسول ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس ضمن میں سورہ احزاب کی آیت ٣٦ ملاحظہ فرمائیں:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا

"اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحبِ اختیار بن جائے اور جو بھی خدا اور رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔" مندرجہ بالا آیات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی اصل میں خدا کی اطاعت ہے اور اگر کوئی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوری اختیار کرتا ہے تو وہ دراصل قرآن سے دوری اختیار کرتا ہے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کا حکم قرآن مجید نے ہی دیا ہے۔ قرآن مجید نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کا بھی حکم دیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔

قرآن مجید کا حضورؐ سے مودبانہ اندازِ گفتگو:

قرآن مجید میں خداوندِ عالم نے مختلف انبیاء کرام کو اُن کے نام لے کر مخاطب کیا ہے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لے کر پکارنے کے بجائے مختلف القابات سے یاد کیا ہے۔ قرآن مجید نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی "قُل" یعنی فرما دیجئے، کبھی فبشّر عبادالذین یعنی ان لوگوں کو بشارت دیجئے، کہیں پر یا ایھا النّبی، کہیں پر یا ایھا لمزمل، کہیں پر یا ایھا المدثر۔۔۔ کہ کر کمالِ شفقت و ادب کے ساتھ گفتگو کی ہے، لیکن کہیں پر بھی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور امتیاز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبودیت اور بندگی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبودیت کے بارے کیا ارشاد فرمایا ہے۔

حضورؐ اپنے رب کی بارگاہ میں:

خداوند عالم کے نزدیک سب سے کامل ترین عبادت حضور اکرم ﷺ کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے آپ کے سوا کسی اور نبی یا رسول کو عبدہ یعنی بطور خاص اپنا عبد نہیں کہا جبکہ آپ کے بارے میں سورہ فرقان آیت ۱ میں ارشاد مبارک ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ

"بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے" (۱)

اسی طرح سورہ اسراء کی آیت ایک میں ارشاد پروردگار ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔

پاک و پاکیزہ ہے وہ پروردگار، جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے اطراف کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، تاکہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھلائیں، بیشک وہ پروردگار سب کی سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔" (۱)

قرآن مجید کی رو سے خدا اور نبی اکرمؐ کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید نے امت پر حضورؐ کے احترام کو واجب قرار دیا ہے۔

اُمّت پر حضورؐ کے ادب کا وجوب:

خداوندِ عالم نے لوگوں کو پیغمبر ﷺ کا احترام بجا لانے کی از حد تاکید فرمائی ہے۔ بعض لوگ پیغمبر ﷺ سے اس حد تک بے تکلّف ہوا چاہتے تھے کہ کبھی آرام کے وقت میں مخل ہوتے تھے اور کبھی بزمِ پیغمبر ﷺ میں پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرتے تھے اور کبھی پیغمبر ﷺ سے بلاضرورت سرگوشی کرتے تھے، قرآن مجید ان تمام امور کو خلاف ادب و احترام شمار کیا ہے

اور لوگوں کو ایسی حرکات سے منع فرمایا ہے۔ نمونے کے طور پر سورہ حجرات کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۲) ایمان والو خبردار اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس طرح بلند آواز میں بات بھی نہ کرنا، جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔ (۳) بیشک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے آزما لیا ہے اور ان ہی کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (۴) بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان کی اکثریت کچھ نہیں سمجھتی ہے۔ (۵) اور اگر یہ اتنا صبر کر لیتے کہ آپ نکل کر باہر آجاتے تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس کے علاوہ حضور کے گھر میں زیادہ دیر رکنے اور گپیں ہانکنے سے بھی لوگوں کو منع فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو بھی خاص احترام دیا ہے اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ ازواج پیغمبر سے پردے کے پیچھے سے سوال کریں، نیز ازواج پیغمبر سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کا نکاح کرنا بھی ممنوع قرار دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں سورہ احزاب کی آیت ۵۳:

اے ایمان والو خبردار پیغمبر کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہونا، جب تک تمہیں کھانے کے لئے اجازت نہ دے دی جائے اور اس وقت بھی برتنوں پر نگاہ نہ رکھنا، ہاں جب دعوت دے دی جائے تو داخل ہو جاؤ اور جب کھالو تو فوراً منتشر ہو جاو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کہ یہ بات پیغمبر کو تکلیف پہنچاتی ہے اور وہ تمہارا خیال کرتے ہیں، حالانکہ اللہ حق کے بارے میں کسی بات کی شرم نہیں رکھتا اور جب ازواج پیغمبر سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردہ کے پیچھے سے سوال کرو کہ یہ بات تمہارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمہیں حق نہیں

ہے کہ خدا کے رسول کو اذیت دو یا ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو کہ یہ بات خدا کی نگاہ میں بہت بڑی بات ہے۔"

اسی طرح سورہ مجادلہ کی آیت ۱۲ میں لوگوں کو حضورﷺ کے ساتھ خواہ مخواہ سرگوشی کرنے سے روکنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آئندہ جو کوئی بھی حضور سے سرگوشی کرے، وہ حتّی المقدور صدقہ بھی دے۔ ملاحظہ فرمائیں سورہ مجادلہ کی آیت ۱۲ :

يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

"ایمان والو! جب بھی رسول کے کان میں کوئی راز کی بات کرو تو پہلے صدقہ نکال دو کہ یہی تمہارے حق میں بہتری اور پاکیزگی کی بات ہے پھر اگر صدقہ ممکن نہ ہو تو خدا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

قرآن مجید نے حضورؐ کے خصوصی احترام کے ساتھ ساتھ آپ کو اولُ المسلمین بھی قرار دیا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں جہاں خداوندِ عالم نے حضورﷺ کو خصوصی ادب واحترام عطا کیا ہے وہیں اس ادب واحترام کے اظہار کے لئے حضورﷺ پر صلوات بھیجنے کا حکم بھی دیا ہے۔

حضورؐ پر صلوات بھیجنے کا قرآنی حکم :

ملاحظہ فرمائیں سورہ احزاب کی آیت ٥٦ :

اِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

"بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ رسول پر صلوات بھیجتے ہیں تو اے مومنین تم بھی ان پر صلوات بھیجتے رہو اور سلام کرتے رہو۔" رسول اکرمﷺ کی ذاتِ مبارک کو قرآن مجید نے

عالمی کہنے کے علاوہ لوگوں کے لئے مونس و ہمدرد بھی کہا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضورﷺ کی عوام سے ہمدردی اور شفقت کو کس طرح بیان کیا ہے۔

حضورؐ کا اُمّت کے درمیان خصوصی مرتبہ:

خدا تعالیٰ نے بعض انبیاء کو لوگوں کا بھائی کہا ہے۔ جیسے حضرت صالح کے بارے میں سورہ اعراف کی آیت ۷۳ میں فرمایا کہ "ہم نے قوم ثمود کے لئے ان کے بھائی صالح کو بھیجا" اسی طرح حضرت ہود کے بارے میں سورہ ہود کی آیت ۵۰ میں یوں ارشاد فرمایا: "ہم نے قومِ عاد کے لئے ان کے بھائی ہود کو بھیجا" اور اسی طرح سورہ شعراء کی آیت ۱۰۶ میں حضرت نوح کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا: "اس وقت کہ جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا" لیکن پیغمبر اسلام کے بارے میں قرآن مجید نے بھائی کی تعبیر استعمال نہیں کی، بلکہ حضورﷺ کا تعارف قرآن مجید نے یوں کروایا ہے: هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُم "اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے، جو ان ہی میں سے تھا۔" پھر اسی طرح سورہ توبہ کی آیت ۱۲۸ میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَائَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيم

"یقیناً تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے اور اس پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے، وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مومنین کے حال پر شفیق اور مہربان ہے۔"

مندرجہ بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورﷺ اپنی عوام دوستی اور مہربانی کے باعث لوگوں سے اس قدر مل جل کر رہتے تھے کہ قرآن مجید نے آپ کا تعارف بھی اس طرح سے کرایا ہے کہ آپ ان لوگوں کے بھائی وغیرہ نہیں بلکہ خود انہی میں سے ہیں۔ یہ بھی آپ کی نرمی،

شفقت اور لوگوں کے لئے انس و ہمدردی کا جذبہ ہی تھا کہ جس کی بناء پر سورہ نساء کی آیت ٦٤ میں یوں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" اور ہم نے کسی رسول کو بھی نہیں بھیجا ہے، مگر صرف اس لئے کہ حکمِ خدا سے اس کی اطاعت کی جائے اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ ﷺ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتا تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔"

اسی طرح سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۷ میں حضور ﷺ کو عالمین کے لئے رحمت کہا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۷ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "اور ہم نے آپ کو عالمین کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" حضور ﷺ کی لوگوں سے ہمدردی، شفقت اور رحمت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے رسول ﷺ کی اطاعت بھی لوگوں کے لئے لازمی قرار دی ہے۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے بقول خود نبی اکرمؐ کا لوگوں سے برتاو کیسا تھا؟

حضورؐ کا لوگوں سے برتاو:

خداوندِ عالم تمام اوصافِ حسنہ اور عظمتوں کا حقیقی مالک ہے۔ حضور اکرم ﷺ اس قدر اعلیٰ و ارفع اخلاق کے مالک تھے کہ تمام اوصافِ حسنہ کے خالق و مالک نے بھی آپ کے خُلق کو "خُلقِ عظیم" کہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے سورہ قلم کی آیت ٤ :

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ (٤) "اور آپ بلند ترین اخلاق کے درجے پر ہیں۔" چونکہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کی عظمت اور قدر و قیمت مال و ثروت اور جاہ و حشمت سے ہے، لیکن خدا نے اس آیہ مجیدہ کے ذریعے سے بنی نوع انسان کو یہ پیغام دیا ہے کہ عظمت خُلق میں ہے مال و دولت میں نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو قرآن مجید نے جہاں پر خُلقِ عظیم قرار

دیا ہے، وہیں پر آپ کے خُلق کی جہانِ ہستی کو فیضیاب کرنے کے لئے آپ کو عالمی نبی بھی قرار دیا ہے۔

حضور ﷺ کی شخصیّت کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ جہاں ہر حوالے سے اسوہِ کامل ہیں وہیں ختم النبیین بھی ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس بارے میں کیا بیان فرمایا ہے۔

حضورؐ کی ختمِ نبوّت

حضور اکرم ﷺ نہ صرف یہ کہ نبی ہیں بلکہ ختم النبیین ہیں۔ آپ کی فضیلتوں میں سے ایک فضیلت آپ کا ختم النبیّن ہونا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ پروردگار ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ االلهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ االلهُ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيمًا۔

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور سلسلہ انبیاء کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شے کا خوب جاننے والا ہے۔"[۲] مندرجہ بالا آیت حضورِ اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر واضح اور روشن دلیل ہے۔ اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کو خَاتَمَ النّبیّین کہا گیا ہے۔

خَاتَمَ النَّبِیّین کا مطلب:

خَاتَم کسی تحریر کے آخر میں لگائی جانے والی مہر کو کہتے ہیں۔ جب محرّر (تحریر کرنے والا) اپنی تحریر مکمل کر لیتا ہے تو وہ آخر میں ایک مہر لگا دیتا ہے، تا کہ (قاری) پڑھنے والے کو پتہ چل جائے کہ بات ختم ہو گئی ہے۔ بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لئے سلسلہ نبوت کو جاری کرنے والے پروردگار نے حضور ﷺ کو خَاتَمَ النّبیّین، یعنی آخری نبی قرار دیا ہے۔ پس قرآن مجید کی روشنی میں حضور ﷺ کے بعد ناں کوئی نبی آیا ہے اور ناں ہی آئے گا۔

حضورؐ کی عالمی نبوّت :

خداوند عالم نے حضورؐ کی نبوّت کو عالمی قرار دیا ہے، البتّہ اس نبوّت کو صرف مومنین پر احسان شمار کیا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے خدا نے قرآن کو عالمین کے لئے بھیجا ہے، لیکن صرف متّقین کے لئے ہی ہدایت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۵ میں ارشاد پروردگار ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِلنَّاس "ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، جو انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔" قرآن مجید نازل تو پورے عالمِ انسانیت کے لئے ہدایت بن کر ہوا، لیکن اس سے ہدایت صرف متّقین ہی حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲ میں ارشاد پروردگار ہے: ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ "یہ وہ کتاب ہے، جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ صاحبانِ تقویٰ اور پرہیزگار لوگوں کے لئے مجسم ہدایت ہے۔"

اس طرح حضورؐ کے بارے میں ارشاد پروردگار ہے کہ ہم نے آپ کو پورے عالم بشریت کے لئے بھیجا ہے، لیکن آپ کو بھیج کر احسان صرف مومنین پر کیا ہے۔ چونکہ غیر مومن لوگ اس نعمت کو سمجھتے ہی نہیں تو ان پر احسان کس بات کا۔

ملاحظہ فرمائیں سورہ سباء کی آیت ۲۸ : وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۔

"اور پیغمبرؐ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں۔" چونکہ پیغمبر کی آمد کی حقیقت سے اکثر لوگ بے خبر ہیں تو اس لئے پیغمبر کی بعثت کا احسان صرف اور صرف مومنین سے منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سورہ آل عمران کی آیت ١٦٤ :

"یقیناً خدا نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو ان پر آیات الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے، انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ یہ لوگ پہلے سے بڑی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

سورہ اعراف کی آیت ۱۵۸ میں بھی حضور ﷺ کو پورے عالم بشریت کے لئے رسول کہا گیا ہے۔ آیت قرآنی ملاحظہ فرمائیں۔ قلْ یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّی رَسُولُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیعًا "پیغمبر ----- کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول اور نمائندہ ہوں۔"

مندرجہ بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی نبوت تو عالمی اور بین الاقوامی ہے، لیکن اس سے فیضیاب فقط مومنین ہوتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے سورج تو پوری دنیا میں چمکتا ہے، لیکن اس کی روشنی سے صرف بینا لوگ ہی فائدہ اٹھاتے ہیں، اندھے سورج کی روشنی میں بھی تاریکی جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ چونکہ صرف مومنین ہی حضور ﷺ کی قدر و منزلت پہچانتے ہیں اور حضور ﷺ کی ذات سے فیض اٹھاتے ہیں، اس لئے حضور ﷺ پر درود بھیجنے کے لئے بھی صرف مومنین کو ہی کہا گیا ہے۔

نتیجہ:

ہمارے پاس معرفت کا سب سے اہم منبع قرآن مجید ہے۔ توحید و نبوت، مبدا و معاد، میزان و صراط، حیات و کائنات اور ملکوت و موجودات کی صحیح شناخت صرف اور صرف قرآن مجید سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید اس لئے مہجور نہیں ہے کہ لوگ اس کی تلاوت نہیں کرتے بلکہ عالمی سچائی یہ ہے کہ دنیا میں آج بھی سب سے زیادہ تلاوت قرآن مجید کی ہی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید اس لئے مہجور ہے کہ ہم حقائق و عقائد کے بارے میں قرآن مجید سے معرفت حاصل نہیں کرتے اور ہمارے اس تساہل کا سایہ بانی اسلام ﷺ کی معرفت پر بھی پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں پیغمبرِ اسلام کی معرفت اور شناخت بھی قرآن مجید کے بجائے دیگر منابع سے بیان کرنے کا رواج

زیادہ ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے پیغمبر کی شناخت اور معرفت کو قرآن مجید سے حاصل کریں، چونکہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی معرفت کا سب سے اہم منبع قرآن مجید ہی ہے۔ظاہر ہے کہ جب ہمیں اپنے نبی اکرم ﷺ کی صحیح معرفت نصیب ہوگی تو پھر ہمارے اعمال بھی اس معرفت کے مطابق درست ہوتے جائیں گے۔

منبع: قرآن مجید

فلسفہ بعثت رسول اکرم امام خمینی کی نظر میں

نصر اللہ فخر الدین
Fakhri1214@yahoo.com
کارشناسی ارشد مجتمع عالی فقہ

مقدمہ:

پروردگار عالم نے اس وسیع و عریض کائنات کو بنانے کے بعد اس کے اندر مختلف قسم کی مخلوقات کو بسایا ان تمام میں سے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر خلق فرمایا۔ باقی تمام چیزوں کو انسان کی خاطر بنایا اور انسان کو پروردگار عالم نے خود اپنی عبادت کی خاطر۔ اسی لئے حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے: "خلقت الأشياء كلها لك و خلقتك لي" یعنی چاند، ستارے، دریا، کہکشاں، زمین و آسماں، چرند پرند، سب کے سب کو تمہاری خاطر خلق کیا ہے اور تمہیں اپنے لئے کیا ہے۔ اسی مطلب کی طرف سورہ ذاریات میں بھی اشارہ ہوا ہے: "وما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون" یعنی میں نے جنّ وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ چونکہ نسل انسانی کو قیامت تک باقی رہنا ہے؛ اس لئے پروردگار عالم نے ہر دور کے انسان کو اوج کمال تک پہنچانے

۱۔ حدیث قدسی
۲۔ سورہ ذاریات آیت ۵

کے لئے مختلف طریقوں سے اپنے دستورات کو بھیجا اور ان دستورات کو سمجھانے اور نافذ کرنے کے لئے اپنے منتخب بندوں کو بھی ساتھ مبعوث کیا۔

انبیاء اور کتابوں کے بھیجنے کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ پر آکر رک گیا، آپ کو قرآن کریم دے کر خاتم الانبیاء قرار دیا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نمونہ عمل اور اسوہ قرار دے کر مبعوث فرمایا۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب آئے گی۔ آپ کی بعثت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

"ھوالذی بعث فی الأمیین رسولا۔۔۔۔و ان کانو من قبل لفی ضلال مبین"

وہی ذات ہے جس نے انہی امیین میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا تاکہ وہ ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرے اور ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔ امیر المؤمنینؑ رسول اکرمؐ کی بعثت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إلى أن بعث الله سبحانه محمدا رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم لإنجاز عدته، وإتمام نبوته، مأخوذا على النبيين ميثاقه ...وأنقذهم بمكانه من الجهالة"

یہاں تک کہ مالک نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے اور اپنے نبوت کو مکمل کرنے کے لئے حضرت محمدؐ کو بھیج دیا جن کے بارے میں انبیاء سے عہد لیا جا چکا تھا اور جن کی علامتیں مشہور اور ولادت مسعود و مبارک تھی۔ اس وقت اہل زمین متفرق مذاہب، منتشر خواہشات اور مختلف راستوں پر گامزن تھے۔ کوئی خدا کو مخلوقات کی شبیہ بتا رہا تھا۔ کوئی اس کے ناموں کو بگاڑ رہا تھا۔ اور کوئی دوسرے خدا کا اشارہ دے رہا تھا۔ مالک نے آپ کے ذریعہ سب کو گمراہی سے ہدایت دی اور جہالت سے باہر نکال لیا۔[۲]

۱۔ سورہ جمعہ سورہ آیت ۲

۲۔ جوادی ذیشان حیدر نہج البلاغہ اردو ترجمہ وحو خطبہ ۱

امام خمینیؒ، پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کو عظیم ترین واقعہ قرار دیتے ہیں اور یوم مبعث رسولؐ کو بابرکت دن کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ فلسفہ بعثت رسول اکرم ﷺ کے تمام پہلوؤں کو آپؒ نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے؛ لیکن اس مختصر مقالے میں ان تمام مطالب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے؛ لہٰذا ہم ان میں سے چند مطالب کی طرف اشارہ کریں گے۔

ضرورت و اہمیت:

اسلام کے آفاقی پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے اور ایک عالمی الٰہی حکومت کی تشکیل کے لئے بعثت انبیاء کے اہداف کو سمجھنا اور ان کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے تاکہ باطل کے عزت داروں کو ذلیل کیا جاسکے اور حق کے کمزوروں اپنا حق ملے اور ہدایت کے متلاشی افراد ایک الٰہی حکومت کے زیر سائے زندگی گزار کر سعادت دنیوی اور اخروی حاصل کیا جاسکے۔

روش تحقیق: اس تحقیق کی روش لائبریری تحقیق ہے جس میں مواد جمع کرنے کے بعد تجزیہ و تحلیل کیا گیا ہے۔

اہداف: ۱۔ بعثت رسول اکرمؐ کے اہداف ہمارے لئے واضح ہوں۔

۲۔ بعثت کے اہداف کو معاشرے میں عملی کرنے کی ضرورت کو اجاگر کرنا۔

توحید کا پرچار:

بنیادی ترین فلسفہ بعثت رسول گرامی و انبیاء ماسلف توحید کا پرچار ہے؛ یعنی دنیا کے کونے کونے تک یہ بات پہنچانا کہ اس کائنات کا بنانے اور چلانے والا صرف ایک ہی ذات ہے جو تمام امور پر احاطہ رکھتی ہے، وہ قادر مطلق ہے اور کائنات میں مستقل طاقت صرف اسی کی ہے۔ اس کے علاوہ تمام طاقتیں اسی کے ماتحت ہیں۔ اس کے اذن کے بغیر کائنات میں ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ انبیاء آکر یہ تمام معارف لوگوں تک پہنچائے اور لوگوں کو سمجھایا کہ کوئی معبود اگر لائق عبادت و

پرستش اور قابل حمد و ثنا ہے تو اسکی ذات کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اس بارے میں امامؒ فرماتے ہیں:

"انبیاء کے تمام مقاصد کا مرجع فقط ایک ہی کلمہ ہے اور وہ معرفت اللہ ہے، باقی ہر چیز اسی کے لئے مقدمہ ہے۔ اگر عمل صالح کی طرف دعوت دی گئی ہے، یا تہذیب نفس کی طرف دعوت دی گئی ہے، اسی طرح معارف کی طرف بلایا گیا ہے تو ان سب کا مرجع وہ اصلی نقطہ ہے جو تمام انسانوں کی فطرت میں ہے؛ یعنی حجاب کو اٹھا دیا جائے تا کہ انسان اس تک پہنچ جائے اور وہ معرفت حق ہے۔ اعلیٰ اور ارفع مقصد یہی ہے۔ انبیاء جنگ نہیں چاہتے تھے اور یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اس دعوت کے سوا کوئی اور دعوت ہو، کشور کشائی کی دعوت اور اس قسم کی دوسری دعوت کبھی ان کے مقصد میں شامل نہیں رہی۔"[۱]

اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے پہلا نعرہ یہی بلند کیا کہ قولو لا إله إلا الله تفلحوا۔ اور اسی شعار کے سائے میں آپ ﷺ نے عرب کے ان مشرکوں کو جو اپنے ہاتھوں کی بنائی مخلوق (بت) کو خالق سمجھتے تھے، خالق حقیقی سے آشنا کرایا اور اس بت پرست معاشرے کو ایک الٰہی معاشرے میں تبدیل کیا۔ امیر المؤمنینؑ اس بارے میں اس طرح فرماتے ہیں کہ:

"فبعث الله محمدا ﷺ بالحق ليخرج عباده من عبادة الأوثان إلى عبادته، و من طاعة الشيطان إلى طاعته۔۔۔" پروردگار عالم نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تا کہ آپ لوگوں کو بت پرستی سے نکال کر عبادت الٰہی کی منزل کی طرف لے آئیں اور شیطان کی اطاعت سے نکال کر رحمان کی اطاعت کرائیں۔ اس قرآن کے ذریعہ جسے اس نے واضح اور محکم قرار دیا ہے تا کہ بندے خدا کو نہیں پہچانتے ہیں تو پہچان لیں اور اس کے منکر ہیں تو اقرار کر لیں اور ہٹ دھرمی کے بعد اسے مان لیں۔[۲]

۱۔ آئین انقلاب . املا صفحہ ۱۵

۲۔ جوادی ذیشان . حیدر نہج البلاغہ اردو ترجمہ و حو خطبہ ۱۴۷

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو بت پرستی سے نکال کر خدا پرستی تک پہنچانے والا اور اطاعت شیطان سے بچا کر عبادت رحمان کے راستہ پر لگانے والا قرآن سے بہتر کوئی نظام نہیں ہے جس نے تعلیمات کے ساتھ بشارت اور انذار کے تمام اسباب جمع کر لئے ہیں اور پیغمبر اکرم ﷺ نے اسی نظام کے ذریعہ عالم بشریت کو صراط مستقیم پر لگادیا ہے۔ اور لوگوں کو اپنے خود ساختہ اور عاجز خداؤں کی پرستش سے نکال کر معبود حقیقی سے آشنا کرایا اور بتادیا کہ تمہارا خدا وہ ہے جو لیس کمثلہ شیئ ہے۔ جو لم یلد ولم یولد ہے۔ جو علیم بذات الصدور ہے۔ جو بما تعملوں خبیر و بصیر ہے۔ جو علی کل شیئ قدیر ہے۔

اطاعت الٰہی:

انبیاء اور خاص طور پر رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم فلسفہ لوگوں کو شیطان پرستی، نفس پرستی، بت پرستی، مال و دولت پرستی، شہوت پرستی، شہرت پرستی اور دنیا پرستی سے نکال کر خدا پرستی کے راستے پر لگادینا ہے اگرچہ اس راہ میں انہیں بہت ساری مشکلات کا سامنا ہوا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بہترین طریقے سے انجام دی۔ اور کچھ لوگوں نے ہدایت حاصل کی اور کچھ لوگ ہٹ دھرمی کی وجہ ان کے دلوں پر اللہ تعالی نے مہر لگادی اور ہر قسم کی وعظ و نصیحت سے محروم ہوگئے۔ یوں اطاعت الٰہی کے بجاے شیطان کی اطاعت میں غرق ہو کر شیطان کا آلہ کار بن گئے اب انہیں کی زبان سے شیطان بولتا ہے انہیں کی آنکھوں سے شیطان دیکھتا ہے، ۱
اعضاء و جوارح انہیں کے ہیں لیکن کام شیطان کا ہے اس طرح مکمل طور پر شیطان کی بندگی میں آچکے ہیں۔

۱۔جو ادی ذیشان حیدر نہج البلاغہ اردو ترجمہ و خطبہ ۷

قرآن کریم نے انبیاء کے اس فلسفے کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "ولقد بعثنا فی کل أمة رسولا أن اعبدوا الله۔۔۔" اور یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔۔۔[۱]

چونکہ طاغوت کا وجود ہر زمانے میں ہے اس لئے پروردگار عالم نے لوگوں کو طاغوت کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف لانے کے لئے ہر زمانے میں اپنے خاص بندوں کو محکم قوانین کے ساتھ مبعوث فرمایا اور انبیا کے بعد ائمہ اور پھر علماے حق قیامت تک اس عظیم ذمے داری کو نبھائیں گے۔

تعلیم و تربیت:

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم ہدف اور فلسفہ تعلیم و تربیت ہے؛ یعنی لوگوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانا اور ان کی تربیت کرنا؛ کیونکہ تربیت کے بغیر صرف تعلیم کافی نہیں ہے۔ تعلیم و تربیت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ تربیت کے بغیر تعلیم ایسی ہے جیسے دیوانے کے ہاتھ میں شمشیر، اور چور کے ہاتھ میں چراغ، جس طرح دیوانہ شمشیر سے فائدہ اٹھانے کے بجائے نقصان اٹھا سکتا ہے اور چور جب چراغ کے ساتھ آئے تو سب سے زیادہ قیمتی چیزیں اٹھا سکتا ہے اسی طرح تربیت کے بغیر تعلیم بھی بجائے اس کے کہ معاشرے کے لئے مفید ثابت ہوں، مضر ثابت ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم　　کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

لٰہذا تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری ہے پروردگار عالم نے اسی ہدف کو سورہ جمعہ کے اندر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ سورہ نحل، آیت ۳

" هوالذی بعث فی الأمیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین " [۱]

امامؒ بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" خداوند عالم نے ان امی اور ان پڑھ افراد کے درمیان سے ایک رسول بھیجا جو خدائی تعلیم و تربیت سے بہرہ مند تھے، تاکہ آیات الٰہی کو ان کے سامنے پڑھے اور انہیں آیات قرآنی کی قرأت اور خدائی تربیت کی طرف دعوت دے کہ جس کے زیر سایہ خود اس (رسول) نے پرورش پائی، ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔۔۔۔

تعلیم و تربیت وہ واحد راہ ہے جو تمام عالمین کے مربی اور حق تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے معین کی گئی ہے۔ یہ راہ اسی تہذیب نفس کے راستے سے طے کی جاتی ہے جس کے سائے میں لوگ انبیاء کے ذریعے بھیجی گئی تربیت سے خود کو آراستہ کرتے ہیں، یہ راہ اسی علم کے ذریعے پہچانی جاتی ہے جو انبیاء کے وسیلے سے بشر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور جو انسان کو اس کے کمال مطلوب تک پہنچاتا ہے۔" [۲]

لہٰذا انبیاء انسان کو انسان بنانے کے لئے تشریف لائے ہیں اور تعلیم و تربیت ان کے نظام تربیت میں سر فہرست رہی ہے اور یہ خدا کی طرف سے ان کی ذمہ داری تھی کہ معاشرے میں جا کر لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور اس کے ذریعے ان کی تربیت اور اصلاح کریں؛ کیونکہ کتاب و حکمت کی تعلیم کے بغیر تربیت ممکن نہیں ہے اور تربیت کے بغیر تعلیم مفید نہیں ہے۔
امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

" امابعد ! اللہ نے حضرت محمدؐ کو اس دور میں بھیجا ہے جب عرب میں نہ کوئی کتاب پڑھنا جانتا تھا اور نہ نبوت اور وحی کا ادعا کرنے والا تھا۔ آپ نے اطاعت گذاروں کے سہارے نافرمانوں

۱۔ سورہ جمعہ ۲

۲۔ امام خمینی کی نگاہمیں تعلیم و تربیت صفحہ / نقل از صحیفہ امام جلد صفحہ ۴/۲ ۵

سے جہاد کیا کہ انہیں منزلِ نجات کی طرف لے جانا چاہتے تھے اور قیامت کے آنے سے پہلے ہدایت دے دینا چاہتے تھے۔ جب کوئی تھکا ماندہ رک جاتا تھا اور کوئی لوٹا ہوا ٹھہر جاتا تھا تو اس کے سر پر کھڑے ہو جاتے تھے کہ اسے منزل تک پہونچادیں مگر یہ کہ کوی ایسا لاخیر ہو جس کے مقدر میں ہلاکت ہو۔ یہاں تک کہ آپ نے لوگوں کو مرکز نجات سے آشنا بنا دیا اور انہیں ان کی منزل تک پہونچادیا ان کی چکی چلنے لگی اور ان کے ٹیڑھے سیدھے ہو گئے۔"[۱]

تزکیہ نفس:

تزکیہ نفس؛ یعنی انسانی نفس کو تمام کثافتوں اور پلیدگیوں سے پاک وصاف کرکے نفس امارہ کے ہاتھوں سے انسان کو آزاد کرنا بھی پیغمبر گرامی ﷺ اور دیگر انبیائے کرام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک ہے؛ کیونکہ نفس کی پاکیزگی کے بغیر جب انسان کے ہاتھ میں کوئی مقام و منصب یا مال و دولت آجائے تو انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ تمام جھگڑا فساد اور اختلافات کی جڑ بھی یہی خود خواہی اور تزکیہ نفس کا نہ ہونا ہے؛لہٰذا سب سے پہلے نفس کی پاکیزگی ضروری ہے۔قرآن کریم نے اس بات کو یوں بیان فرمایا ہے:

"ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة۔۔۔"

امامؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ "بعثت کا مقصد یہ ہے کہ ہم طغیانی و سرکشی سے نجات پائیں، اپنا تزکیہ کر سکیں، اپنے نفوس کو صفا و جلا بخش سکیں اور خود کو ان ظلمتوں سے نجات دلا سکیں۔ اگر یہ توفیق حاصل ہو جائے تو کائنات بھی نور قرآن اور جلوہ نور حق کی مانند ایک نور بن جائے گی۔۔۔۔

ا۔جو ادی دلشاد۔ حیدر نہج البلاغہ اردو ترجمہ و حو خطبہ ۴

بعثت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے نفوس کا تزکیہ کرے اور تزکیہ کے ذریعے سے کتاب و حکمت کو سیکھے۔ اگر انسان اپنا تزکیہ کرلے تو پھر اس میں طغیانی نہیں آئے گی ، جو اپنے نفس کا تزکیہ کرلیتا ہے وہ کبھی اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھتا۔" [۱]

اسی لئے پروردگار عالم نے لوگوں کے تزکیہ نفس کے لئے انبیاء کا انتخاب کیا جو خود معصوم ہیں؛ تاکہ لوگوں کو اُن پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔ جس کا بہترین مصداق ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی ذات بابرکت ہے۔ آپ کی بعثت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"ویزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة۔۔۔سورۃ آپ نے لوگوں کا اس طرح سے تزکیہ کیا جو لوگ ایک زمانے میں ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے یہی لوگ آپ کی تبلیغ اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے نتیجے میں آپس میں اتنے قریب ہوگئے کہ ایک دوسرے کی خاطر خون دینے لگے۔

امامؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"جو لوگ تزکیہ نفس کے بغیر دنیوی چیزوں کو حاصل کر لیتے ہیں تو ان میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے اتنا ہی ان کا طغیان بھی شدید ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس مال و منال اور جاہ و مقام و مسند کا وبال ہی انسان کے لئے دنیا میں اور اس سے بڑھ کر آخرت میں مشکلات اور مصیبت کا باعث ہے۔" [۲]

طاغوت سے نجات:

بعثت رسول اکرم کا ایک اہم ترین فلسفہ لوگوں کو طاغوت اور جابر و ظالم افراد کے ہاتھوں سے نجات دلانا تھا۔ تاکہ انسان ، انسان کی بندگی سے نکل کر معبود حقیقی کی بندگی میں آجائے قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے :"ولقد بعثنا فی کل أمة رسولا أن اعبدوا الله واجتنبوا

۱۔ ئین انقلا . ملا ، ص۱ آ

۲۔ ئین انقلا . ملا ، ص۲ آ

الطاغوت۔۔۔" اور یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔۔۔[۱]

اسی لئے ہر دور میں ہر نبی نے طاغوت کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور لوگوں کو عملا بتا دیا کہ تنہا ہو یا جمعیت کے ساتھ ، طاغوت کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوں۔ قرآن نے بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"قل انما اعظکم بواحدۃ۔۔۔ " اے پیغمبر آپ کہ دیجئے کہ میں تمہیں صرف اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے ایک ایک اور دو دو کرکے اٹھو۔۔۔ ۲

یعنی طاغوت سے مقابلہ کرنے کے لئے تنہائی کا بہانہ نہ کرو؛ کیونکہ تاریخ میں اکثر اوقات کم لوگ زیادہ لوگوں پر غالب آئے ہیں۔ اسی لئے جب فرعون اٹھا تو موسیٰ بھی اٹھے، نمرود اٹھا تو ابراہیم اٹھے، ابوجہل اور ابوسفیان اٹھے تو ہمارے نبی حضرت محمدؐ اٹھے یزید اٹھا تو شبیرؑ اٹھے۔ پروردگار کی یہ سنت تا قیامت تک باقی رہے گی۔اس بات کو علامہ اقبالؒ اس طرح شعر میں پروتے ہیں:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید   این دو قوت از حیات آمد پدید

ایک اور جگہ امامؒ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انبیاء کے کاموں میں سے ایک یہ تھا کہ اسی مستضعف طبقے کو مستکبر طبقے کے خلاف تیار کرے وہ اپنی تبلیغات کے ذریعے سے انہیں مستکبرین کے خلاف آمادہ کرتے۔ مستکبرین انہیں اپنے مفاد کی خاطر آمادہ نہیں کرتے تھے؛ بلکہ یہ مستضعفین تھے کہ جن کے درمیان میں سے ایک اٹھتا، خدا اس کا انتخاب کرتا اور پھر وہ مل کر مستکبرین کے خلاف قیام کرتے۔ حضرت موسیٰ نے

۱۔ سورہ نحل آیۃ ۳

۲۔ سورہ سبا آیۃ ۴

فرعون کے خلاف اور حضرت رسول خدا نے قریش کے خلاف اس وقت قیام کیا جب سب کچھ انہی کے ہاتھ میں تھا۔"[1]

خود امامؒ نے بھی یہی فلسفہ عملی طور پر لوگوں کو دکھایا اور آپ نے تنہا ہونے کے باوجود ظالم و جابر شاہ کے مقابلے میں کہ جس کی پشت پناہی کے لئے تمام دنیا کے طاغوت تھے، قیام کر کے ایک عظیم انقلاب برپا کیا اور دنیا والوں کو بتادیا کہ فتح ہمیشہ حق کی ہی ہوتی ہے۔

ظلم سے نجات:

کسی بھی ملت کی نابودی کے اسباب میں سے ایک سبب ظلم ہے۔ جس معاشرے کے اندر ظلم عام ہو جائے اور طاقتور لوگ کمزوروں پر رحم نہ کریں تو وہ معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے؛ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے؛ لیکن ظلم کے ساتھ نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کی بعثت کے فلسفے میں سے ایک فلسفہ ظلم سے نجات اور لوگوں کے اندر ظالموں اور جابروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جرات پیدا کرنا ہے۔ اسی بارے میں امامؒ اس طرح فرماتے ہیں:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ظلم و ستم کا خاتمہ اور بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنا آجائے۔ بعثت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق، نفوس، ارواح اور اجسام کو ظلمت سے نجات دلادے اور ظلمات کا پورے طور پر خاتمہ کر کے اس کی جگہ نور پھیلادے۔ بعثت کا مقصد یہ ہے کہ ظلمتِ جہل کا پردہ ہٹ جائے اور اس کی جگہ نور عمل لے لے۔ ظلم کی تاریکیوں کی جگہ عدالت کا نور جگمگا اٹھے اور بعثت نے اس کا راستہ بھی ہمیں سمجھا دیا ہے۔"[2]

اسی مطلب کی طرف امیر المؤمنین بھی نہج البلاغہ میں اشارہ فرماتے ہیں:

۱۔ ئین انقلا . اسلا ، ص ۳آ

۲۔ ئین انقلا . اسلا ، ص ۵آ

" وفی ایدینا بعد فضل النبوۃ التی أذللنا بھا العزیزو نعشنا بھا الذلیل " اس کے بعد ہمارے ہاتھوں میں نبوت کا شرف ہے جس کے ذریعے ہم نے باطل کے عزت داروں کو ذلیل بنایا ہے اور حق کے کمزوروں کو اوپر اٹھایا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ : "اللہ نے آپ (رسول اکرمؐ) کے ذریعہ کینوں کو دفن کر دیا اور عداوتوں کے شعلے بجھا دیے ہیں۔ لوگوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے اور کفر کی برادری کو منتشر کر دیا ہے اہل ذلت کو عزیز بنا دیا ہے اور کفر کی عزت پر اکڑنے والوں کو ذلیل کر دیا ہے۔ آپ کا کلام شریعت کا بیان ہے اور آپ کی خاموشی احکام کی زبان۔"

عرب جاہلیت دور میں بہت سارے لوگ باطل کے عزت دار تھے یہ لوگ جب کوئی غلطی یا گناہ کرتے تھے تو کوئی ان سے انتقام لینے والا نہیں ہوتا تھا؛ لیکن جب کسی کمزور اور غریب شخص سے معمولی غلطی بھی سرزد ہوتی تھی تو فوراً انتقام لیتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر ان تمام امتیازات کو ختم کرکے سب کو یکساں کر دیا اور عدل و مساوات قائم کرکے سب کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔

قیام عدل:

معاشرے میں موجود ناانصافیوں کو ختم کرنا اور غربت و امارت، زبان و ثقافت، رنگ و نسل اور دوسرے خود ساختہ امتیازات کو ختم کرکے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام اور ظلم و ستم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا بھی فلسفہ بعثت رسول گرامی و دیگر انبیاء میں سے ایک ہے۔ قرآن کریم بعثت انبیاء کے اس فلسفے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

۱۔ جوادی دلشاد۔ حیدر، نہج البلاغہ اردو ترجمہ وحواشی، مکتوب ۱۷

۲۔ جوادی دلشاد۔ حیدر، نہج البلاغہ اردو ترجمہ وحواشی خطبہ ۹۶

" لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط " بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔ ۱

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

" ولکل أمۃ رسول فأذا جآء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لایظلمون " اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے اور جب رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ ہو جاتا ہے اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا۔ امام راحلؒ بھی اس بارے میں بڑے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

''آغاز بشریت یعنی حضرت آدم سے لے کر خاتم انبیاء ﷺ تک تمام انبیاء اسی لئے آئے کہ معاشرے کی اصلاح کر سکیں۔ لہٰذا انہوں نے فرد کو معاشرے پر قربان کر دیا، انبیاء سے بڑھ کر ہمارے پاس کوئی فرد نہیں، ائمہؑ سے بڑھ کر ہمارے پاس کوئی انسان نہیں، انہوں نے معاشرے پر اپنے آپ کو قربان کیا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے انبیاء کو آیات و بینات اور میزان دے کر بھیجا ''لیقوم الناس بالقسط'' تاکہ لوگ عدالت کے لئے قیام کریں۔ لوگوں میں عدل اجتماعی برقرار ہو، ظلم و ستم کا خاتمہ ہو جائے، کمزور لوگوں کی فریاد سنی جائے اور ان کی مدد کو پہنچا جائے۔''

لہٰذا پیغمبر اکرم ﷺ کا مدینے کے اندر اسلامی حکومت تشکیل دینے کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد یہی عدالت اجتماعی کا قیام تھا؛ اسی لئے جب آپ ﷺ نے اسلامی حکومت بنائی تو سب سے پہلے معاشرے کے اندر عدل و انصاف کا قیام کر کے ظلم و ستم کی چکی میں پسے ہوئے لوگوں کو نجات دلائی اور ظالم و جابر لوگوں کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسی بات کی طرف امام راحلؒ ایک اور جگہ اشارہ فرماتے ہیں:

۱۔ سورہ حدید آیت ۲۵

۲۔ سورہ یونس آیت ۴۷

۳۔ آئین انقلاب اسلامی، ص ۲۷

''جب تک آپ ﷺ نے حکومت تشکیل نہیں دی اس وقت تک لوگوں کے معنوی پہلوؤں کی تقویت میں مصروف رہے اور جب حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے تو روحانی پہلو کی طرف توجہ کے علاوہ آپ ﷺ نے عدل بھی قائم کیا اور ستم رسیدہ افراد کو ستمگروں کے پنجے سے جہاں تک دامن وقت میں گنجائش رہی نجات دلائی۔''[1]

کمال بشر:

انسان اپنے علاوہ دوسری تمام مخلوقات کی نسبت سے ایک مافوق مخلوق ہے۔ یہ دوسری مخلوقات کی طرح صرف مادی اور دنیاوی زندگی کا مالک نہیں؛ بلکہ زندگانی دنیا کے ساتھ ساتھ ایک اور زندگی کا بھی مالک ہے جو اس سے بالاتر اور جاودانی ہے اور وہ زندگی، دنیا کی زندگی کے بعد اسے حاصل ہوگی اور اُس زندگی کو حاصل کرنے کے لئے دنیوی زندگی ایک مقدمہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں پروردگار عالم نے انسان کے اندر وہ کمالات اور استعدادات رکھی ہیں جو کسی اور مخلوق کے اندر نہیں رکھیں اور پیغمبر اکرمؐ سمیت دوسرے تمام انبیاء کی بعثت کا ایک ہدف انسان کو اس کے کمالات سے آگاہ کرکے ایک الٰہی انسان میں تبدیل کرنا ہے۔اسی بارے میں امامؒ فرماتے ہیں:

''تمام انبیاء کی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو وہ راہ دکھائی جائے جس پر قدم اٹھانا انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی اس عالم مادہ سے ایک اور عالم کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ اگر وہ خود سر اور ضدی ہو تو وہ ایک حیوانی وجود کے ساتھ اس عالم سے دوسرے عالم کی طرف سفر کرجائے گا؛ لیکن اگر وہ انبیاء کے بتائے ہوئے راستے پر قدم اٹھائے تو نہ صرف یہ کہ انسانیت کی تکمیل ہوگی؛ بلکہ وہ جتنی زیادہ اطاعت کرے گا اس کی انسانیت اتنی ہی زیادہ ترقی کرے گی۔

۱۔ آئین انقلاب اسلامی ص ۲۳

تمام انبیاء کی کوششیں صرف اسی لئے تھیں کہ انسان کی تعمیر، اس کی قوتوں کی تعدیل اور اسے ایک مادی انسان کے دائرے سے نکال کر الٰہی انسان میں تبدیل کریں اور اسی عالم مادہ میں اس کی تربیت کریں۔ انبیاء اس بات کے خواہشمند ہیں کہ اس دنیا کو الٰہی دنیا بنائیں؛ یعنی جس جہت وزاویے سے اسے دیکھیں اس میں الٰہیت کو ہی پائیں۔''[۱]

اسی لئے پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر طرح کی مشکلات اور زحمتوں کو برداشت کرکے اس عرب معاشرے کو ایک متمدن اور الٰہی معاشرے میں تبدیل کردیا اور اسے کمال و سعادت کا راستہ دکھادیا جو ہر لحاظ سے پست اور گرا ہوا تھا، جس میں زندگی گزارنے والوں کو نہ حلال و حرام کا علم تھا اور نہ اچھے برے کی تمیز، نہ ان میں اقدار نامی کوئی چیز تھی اور نہ اخلاق۔ جانوروں کی طرح زندگی گزارتے تھے، ناہموار اور زہریلے سانپوں کے درمیان زندگی گزارتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر کئی سال جھگڑتے رہتے تھے اور اپنی لخت جگر بیٹیوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے زندہ در گور کرتے تھے۔ امامؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''انبیاء کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ لوگوں کو کمال کی اوج اور بلندی تک پہنچادیں۔ چنانچہ اس راہ کی غایت اور اعلیٰ ہدف، کمال مطلق ہے اور سارے کام وسیلہ ہیں۔ انبیاء یہی چاہتے ہیں کہ تمام انسان حضرت امیر المؤمنینؑ کی مانند زندگی گزاریں؛ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا، ان کو اس کام کی توفیق ہی نہیں ہوگی۔ ایسا نہیں ہے کہ انبیاء دنیا کے لئے آئے ہوں؛ کیونکہ دنیا تو کمال تک پہنچنے کا صرف ایک وسیلہ ہے؛ لیکن اہل دنیا اس وسیلہ کمال کو کمال کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔''[۲]

۱۔ امام خمینی کی نگاہیں تعلیم وتربیت، ص۶ بنقل از صحیفہ امام، ج ۳، ص ۱۱
۲۔ امام خمینی کی نگاہیں تعلیم وتربیت، ص۶ بنقل از صحیفہ امام، ج ۱۲، ص ۵۰۴

ظلمت سے رہائی:

لوگوں کو جہالت اور نادانی کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے جانا اور صراط مستقیم پر گامزن کرنا بھی بعثت انبیاء کے فلسفوں میں سے ایک ہے۔ پروردگار عالم، صاحبان ایمان کا ولی ہے جو انہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے؛ جبکہ کافروں کا ولی طاغوت ہے اور طاغوت کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو ہدایت کی روشنی سے نکال کر ظلمتوں اور تاریکیوں کی طرف لے جائے؛ لیکن مؤمنوں پر طاغوت اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا؛ لہٰذا وہ کافروں کو ظلمت کی طرف لے جاتا ہے۔ امامؒ فرماتے ہیں:

"پروردگار قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو دو مأموریتیں دے کر اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ أن أخرج قومك من الظلمات ألى النور و ذکرهم بأيام الله،[1]

۱۔ لوگوں کو ظلمات سے نکالیں۔

۲۔ لوگوں کو ایام اللہ کی یاددہانی کرائیں۔"

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے کبھی بھی کسی کے خلاف بد دعا نہیں کی؛ بلکہ ہمیشہ یہی دعا فرمائی کہ پروردگارا میری قوم کی ہدایت فرما! درحالیکہ لوگوں نے آپ کو اتنی اذیتیں دیں جو سابقہ امتوں نے کسی بھی نبی کو نہیں دی تھیں۔ کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے، کبھی آوارہ بچوں کو ورغلا کر آپ ﷺ پر پتھر برسوائے اور کبھی آپ ﷺ پر کچرا پھینکا۔۔ الغرض آپؐ نے ہر طرح کی مصیبتیں اٹھائیں؛ لیکن اس سب کے باوجود بھی آپ ﷺ کا دل اُن کے لئے نرم تھا اور ان پر گزرنے والی سختیاں اُن سے بڑھ کر آپ ﷺ پر زیادہ سخت گزرتی تھیں۔

جس وقت پیغمبر اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اسوقت لوگ مختلف راستوں پر گامزن تھے، گمراہی کی تاریکیوں میں سرگرداں تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مختلف چیزوں

۱۔ صحیفہ نو جلد/۹

کو معبود تصور کر رہے تھے، ہر سمت ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، ناہموار پتھروں اور زہریلے سانپوں کے درمیان زندگی گزارتے تھے، معمولی معمولی باتوں پر کئی کئی سال لڑتے جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے۔[۱]

لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی معاشرے کے اندر ایک انقلاب برپا کیا اور اس تاریک اور پست معاشرے کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا اور ایک دوسرے کے درمیان اخوت اور برادری کا ایک نمونہ قائم کیا کہ جو لوگ کل تک ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے وہ آج ایک دوسرے اتنے قریب ہوئے کہ ایک دوسرے کے لئے خون دینے لگے، جو لوگ کل تک اپنی بنائی ہوئی بے جان چیزوں کو معبود تصور کر رہے تھے اب ایک عظیم معبود کی عبادت کرنے لگے ہیں اور جو لوگ کل تک جہالت کی تاریکیوں کو سرگرداں تھے اب ہدایت کی روشنی سے منور ہونے لگے ہیں۔ امیر المؤمنینؑ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"إلىٰ أن بعث الله سبحانه محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لإنجاز عدته، وإتمام نبوته، مأخوذا۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ مالک نے اپنے وعدہ کو پورا کرنے اور اپنے نبوت کو مکمل کرنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج دیا جن کے بارے میں انبیاء سے عہد لیا جا چکا تھا اور جن کی علامتیں مشہور اور ولادت مسعود و مبارک تھی۔ اس وقت اہل زمین متفرق مذاہب، منتشر خواہشات اور مختلف راستوں پر گامزن تھے۔ کوئی خدا کو مخلوقات کی شبیہ بتا رہا تھا۔ کوئی اس کے ناموں کو بگاڑ رہا تھا۔ اور کوئی دوسرے خدا کا اشارہ دے رہا تھا۔ مالک نے آپ کے ذریعہ سب کو گمراہی سے ہدایت دی اور جہالت سے باہر نکال لیا۔"[۲]

آج اگر مسلمان پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے اہداف کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تو مسلمان اتنی تعداد میں ہونے کے باوجود دنیا کے کونے کونے میں دشمنان اسلام کے ہاتھوں اسیر

۱۔ جو ادی دیشا۔ حیدر نہج البلا اوجمتہ وحو خطبہ ۲۶

۲۔ جو ادی دیشا۔ حیدر نہج البلا اوجمتہ وحو خطبہ ۱

نہ ہوتے ، بلکہ عزت کی زندگی گزارتے۔ خاص طور پر مسلمان حکمران استعمار کا آلہ کار بننے کے بجائے ان سے مقابلہ کرتے۔ لیکن بد قسمتی سے آج اسلامی ممالک صرف نام کے حد تک مسلمان ہیں وگرنہ کس میں جرأت ہوتی کہ آئے روز فلسطین وکشمیر و عراق و سوریہ اور دیگر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کا خون بہائے۔

نتیجہ وجمع بندی:

رسول اکرمؐ کی بعثت کا فلسفہ امام خمینی کی نگاہ میں ایک ایسے الٰہی اور اسلامی معاشرے کا قیام ہے جس میں انسان مکمل طور پر ایک ہی خالق کے سامنے سر بسجود ہو اور معاشرے میں عدل کا بول بالا ہو، ظلم بنیاد سے ہی ختم ہو جائے اور قرآن ورسول اکرم کی تعلیمات کے زیر سایہ انسان تعلیم وتربیت کے مراحل طے کرکے تزکیہ نفس کے ذریعے خود کو کمال تک پہنچائے اور معاشرے میں بھی ان دستورات کے نشر وفروغ اور نفاذ کے لئے مصروف عمل ہو جائے اور اس کو امام نے اپنی زندگی میں عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے رسول اکرمؐ کے ان اہداف کو عملا ایک اسلامی حکومت کی شکل میں عملی جامہ پہنایا۔

مصادر ومنابع:

۱۔ قرآن مجید

۲۔ جوادی، ذیشان حیدر، نہج البلاغہ ترجمہ وحواشی

۳۔ موسوی، روح اللہ، آئین انقلاب اسلامی، ناشر مؤسسہ تنظیم، نشر آثار امام خمینیؒ

۴۔ موسوی، روح اللہ، امام خمینیؒ کی نگاہ میں تعلیم وتربیت

۵۔ موسوی، روح اللہ، صحیفہ نور،

پیغمبر اکرمؐ کی تبلیغی سیرت، قرآن کے آئینے میں

محمد بشیر ناصری

مقدمہ:

پیغمبر اعظم محمد حضرت مصطفیٰ ﷺ ایک ایسے معاشرے میں مبعوث ہوئے جو علم دانش ،اخلاق، تہذیب و تمدن سے دور تھا۔ نبی اکرم اپنی اس مختصر سی حیات طیبّہ اور قلیل مدت میں اس ماحول کو تبدیل کرنے میں کیسے کامیاب ہوئے یہ بات ہمارے لئے بہت اہم ہے تاکہ آپ کی سیرت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم بھی اپنے معاشرے میں اسی سمت قدم اٹھائیں۔ آپ کی کامیابی کے اگرچہ بہت سارے اسباب و عوامل ہیں ان اسباب و عوامل میں سے مہم ترین عامل آپ کی تبلیغی روش ہے چونکہ خدا نے آپ کو بشیر و نذیر، ہادی اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔

یہاں ہم آپ کی تبلیغ کے کچھ اصول ذکر کریں گے۔ جسے قرآن نے بعض جگہوں پر اجمالا اور بعض جگہوں پر تفصیلا بیان کیا ہے۔

۱۔ ہدف پر ایمان:

پیغمبر اکرم اپنے ہدف اور مقصد پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کے اعتقاد میں کسی قسم کا تنزلزل نہیں تھا چنانچہ پروردگار فرماتا ہے۔

فآمنوا باللہ و رسولہ النبی الامّی الذی یئومن باللہ و کلماتہ و اتبعوہ لعلکم تھتدون ۔ ۱

ترجمہ: پس ایمان لے آو اس خدا پر اور اس کے رسول پر کہ امی ہے جو ایمان رکھتے ہیں خدا پر اور اس کے کلمات پر اس کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ ۔ ۲

ایمان لا یا پیغمبر نے جس چیز پر جو پرور دگار کی جانب سے ان پر نازل ہوا تھا۔

اسی طرح رسول گرامی نے ان کفار کے جواب میں فرمایا جو آپ سے چاہتے تھے کہ کچھ مدت کے لئے ان بتوں کی پرستش کرے تا کہ اس کی پاداش میں وہ لوگ بھی خداوند کی پرستش میں ساتھ دیں۔ لا أعبد ما تعبدون ولا أنتم عابدون ما أعبد لکم دینکم ولی دین ۔

۲۔ اہداف کے بیان میں صراحت:

آپ مکتب اسلام کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتے تھے اور اصول فکری و عملی کو بغیر کسی ابہام کے بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ خداوند آپ کی بصیرت اور صراحت کے بارے میں فرماتا ہے:

قُلْ ھٰذِہِ سَبِیلِی أَدْعُوا إِلَی اللہِ عَلٰی بَصِیرَۃٍ أَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِی وَ سُبْحانَ اللہِ وَ ما أَنَا مِنَ الْمُشْرِکین ۔

ترجمہ: اے رسول کہدو یہ میرا راستہ ہے کہ میں اور وہ لوگ جو میری پیروی کرتے ہیں مکمل بصیرت کے ساتھ تمام لوگوں کو خدا کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ پاک و منزہ ہے وہ ذات، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

۱۔ اعراف ۵

۲۔ بقرہ ۸

۳۔ کافرون ۶، ۳

۴ یوسف ۱۸

اس آیت کے مطابق پیغمبر ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے آئین اور روش کو مشخص کریں وہ آئین اور دستور جس میں کوئی بے اطلاعی اور تقلید محض نہیں ہے بلکہ دستور پر آگاہی اور بصیرت کامل ہے۔ بیان کرتا ہے اور خود بھی اس کے عمل کرتا ہے اور پیروی کرنے والوں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔

۳۔ لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھنا:

آپ کا اعتقاد یہ تھا کہ انسان معمولا جہل و نادانی کی وجہ سے حق کے مقابلے میں صف آرائی کرتے ہیں اگر حقائق کو اچھے انداز میں بیان کریں تو اپنی فطرت واقعی کی طرف واپس آئیں گے۔

لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ ما عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم ۔ [۱]

ترجمہ: حتما ایک پیغمبر تمہی سے آیا تمہارے پاس، اس پر دشوار تھی کہ تم سختی میں پڑ جائیں وہ تمہاری ہدایت کے حوالے سے حریص ہیں۔

اس آیہ شریفہ میں خداوند متعال جملہ (من انفسکم) کے ذریعے بتایا کہ پیغمبر تم میں سے ہو اس میں شدت ارتباط کو ظاہر کیا ہے اور فرمایا ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے جو بھی رنج والم تمہیں پہنچتا ہے پیغمبر کے لئے ناگوار ہے اور وہ تمہاری ہدایت کا حریص ہے۔

۴۔ منطقی مباحث کی رعایت:

پیغمبرؐ نے اپنی ثقافتی تحریک کو بنیادی مسائل یعنی مباحث اعتقادی سے آغاز کیا اس کے بعد مسائل اخلاقی، سیاسی اور اجتماعی کو بیان کیا۔ چون کہ مبدا حکیم کا اعتقاد تمام فضائل اور تحولات کا سرچشمہ ہے جس کے وجود میں خدا آجائے بدون تردید وہ فضائل اخلاقی سے آراستہ ہو جائے گا۔ اور

۱۔ توبہ ۸

رزائل اخلاقی سے خود بخود دور ہو جائینگے پھر مسائل سیاسی میں کبھی حکم خدا کی مخالفت کا مرتکب نہیں ہوگا۔ اسی لئے اگر ہم قرآن کا سیر نزولی کی طرف غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے مکی سورتوں میں زیادہ تر مبدا و معاد کا ذکر ہوا ہے۔۔

۵۔ بیان میں فصاحت :

پیغمبرؐ اپنی قوم کی زبان میں بات کیا کرتے تھے اور مطالب کو بہترین انداز میں بیان کرتے تھے اسی لئے بہت سے لوگ آپ کی فصاحت کا اعتراف کرتے تھے۔ وَ ما أَرْسَلْنا مِنْ رَسُولٍ إِلاَّ بِلِسانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُم ۔ ترجمہ: ہم نے کسی بھی رسولؐ کو نہیں بھیجا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان میں، تاکہ ان کو بیان کرے۔

۶۔ نصرت خدا پر اعتماد اور توکل :

پیغمبرؐ ابلاغ رسالت اور لوگوں کی ہدایت کو وظیفہ الٰہی سمجھتے تھے اسی لئے لوگوں کی روگردانی، گستاخی و سرپیچی سے متاثر نہیں ہوتے تھے آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپکا حامی و ناصر ہے اسی لئے لوگوں کی مخالفت کے مقابلے میں مقاومت فرماتے تھے اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے :

حَسْبِيَ اللّٰهُ لا إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظيم ۔ ۲

ترجمہ: خدا میرے لئے کافی ہے اس کے سوا موئی معبود نہیں ہے میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے۔

۱۔ ابراہیم ۴

۲۔ توبہ ۲

۷۔ اجتماعی حالات کی رعایت:

پیغمبرؐ کو شروع سے ایمان تھا کہ آپ کی رسالت جہانی ہے لیکن بعض اجتماعی شرائط اور سیاسی حالات کی وجہ سے آپ نے ایک مخصوص گروہ کی تربیت کی اور مخفیانہ طور پر اپنے رسالت کا آغاز کیا۔ تین سال تک آپ نے انفرادی صورت میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اس کے بعد اللہ تعالی کے حکم کے مطابق اپنے نبوت کو علی الاعلان ظاہر کیا اور اپنے خاندان سے شروع کیا چونکہ حجاز میں اگر آپ کا خاندان آپ کے ساتھ نہ دیتے آپ اس زمانہ کے خودسر حاکموں کے مقابلے میں مقاومت نہیں کرسکتے تھے اس مرحلے کے بعد جب آیہ شریفہ: فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین،[1] نازل ہوئی آپ نے اعلانیہ طور پر رسالت کا آغاز کیا۔

۸۔ حکمت کی بنیاد پر دعوت حق:

آپ اپنی دعوت میں استدلال اور برہان سے کام لیتے تھے چونکہ اصولی طور پر دین جبر و اکراہ کے ذریعے کسی کے دل میں نہیں اترتا ہے کیونکہ دین ایک اعتقادی قلبی ہے اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ[2]

ترجمہ: اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے بلاو اور ان کے ساتھ اچھی روش کے ساتھ بحث و مباحثہ کرو۔

مشیت الہی یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ہدایت کو قبول کرے نہ جبر و اکراہ کے ذریعے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۔[3]

۱۔ طہ ۔ ۱۳۰ اور حجر ۹۴ ۳

۲۔ نحل ۵

۳۔ یونس ۹۹

اگر پروردگار چاہتا روئے زمین پر موجود تمام انسان ایمان لے آتے آیا تم چاہتے ہو کہ لوگ مجبوراً ایمان لے آئے اس کا معنی یہ ہے کہ اجباری طور پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اسی بناپر پیغمبر اسلام نے کبھی زور بازو سے ایمان لانے کو قبول نہیں فرمایا حتی وہ منطقہ جن کو فتح کرتے تھے اس منطقہ کے لوگوں کو دو چیزوں کا اختیار دیتے تھے:

۱۔ اسلام قبول کرے اور مسلمانوں کے صف میں شامل ہو جائے۔

۲۔ اپنے دین پر باقی رہے اور حاکم مسلمان کی سیاسی حاکمیت کو قبول کرے۔ [۱]

۹۔ دلسوزی و خیر خواہی:

آپ معاشرے کی اصلاح لوگوں کی ہدایت اور ان کو مفاسد و مظالم سے نجات دلانے کے بارے میں بہت کوشش کرتے تھے لوگوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے اسی لئے لوگوں کا گمراہ ہونا آپ پر سخت گزرتا تھا چنانچہ خداوند فرماتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۔ [۲]

ترجمہ: شاید چاہتے ہو ان کے اعمال کی خاطر اپنے آپ کو غم و اندوہ میں ڈالے اور ہلاک کرے اپنے آپ کو اگر وہ لوگ اس گفتار پر ایمان نہ لائے۔

۱۰۔ لوگوں کے فہم کے مطابق بات کرنا:

پیغمبر کبھی بھی اس زمانے کے لوگوں کی عقلوں سے بڑھ کر اور ان کے افکار اور اذہان سے ہٹ کر بات نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں آپ فرماتے تھے:

انا معاشر الانبیاء ان نکلم الناس علی قدر عقولھم؛ ۔ [۱]

۱۔ سیرہ بن ہشام ج۰ ص ۷

۲ کہف ۔ ٦

یعنی ہم پیغمبروں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی عقلوں کے اندازے کے مطابق بات کریں۔ لہٰذا آپ ہمیشہ لوگوں کی معرفت و فکری صلاحیت کو مد نظر رکھتے تھے اور ہر بات ہر کسی کے سامنے نہیں بولتے تھے۔ امام جعفر (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ و امیر المومنین یحدثان سلمان ما لایحتملہ غیرہ من مخزون علم اللہ و مکنونہ

پیغمبر و امیر المومنین خزانہ علم الٰہی سے ایسے مطالب سلمان فارسی کو بیان کرتے تھے کہ دوسرے لوگ ان مطالب کو تحمل نہیں کر سکتے تھے۔

۱۱۔ مخالفین کے مقابلے میں شجاعت کا مظاہرہ:

آپ ایسے مقاصد اور اہداف کے اعتبار سے بہت شجاع تھے چنانچہ قرآن مجید آپکی شجاعت کا ذکر آیا ہے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار، ۔ ۳

محمد رسول اللہ اور جو آپ کے ہمراہ ہیں کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہیں۔ حضرت علی اس بارے فرماتے ہیں:

کنا اذا احمرّ البأسُ اتّقینا برسول اللہ فلم یکن احد منا أقرب الی العدوّ منہ ۔

جب بھی آتش جہنم شعلہ ور ہو جاتے تھے اور میدان کارزار سخت ہو جاتا تھا ہم رسول اللہ کی پناہ لیتے تھے چنانچہ ہم میں سے کوئی بھی آپ سے زیادہ دشمن سے زیادہ نزدیک نہیں ہوتے تھے۔ یعنی ایسے سخت موقع پر جو سب سے زیادہ دشمن کے نزدیک ہوتے تھے و رسول اللہ کی ذات تھی۔

۱۔ کلینی، کافی ج۱ ص ۳

۲ مجلسی، پیشین ج ۳۰ ۳ ۲۲

۳۔ فتح ۲

۴۔۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳ ۳

۱۲۔ مومنوں کی نسبت متواضع :

آپ مومنون کی نسبت بہت ہی تواضع اور فروتنی کیا کرتے تہے چنانچہ سورہ شعراء میں پروردگار نے فرمایا:

واخفض جناحك لمن اتّبعك من المومنين؛ ۔ [۱]

ان مومنوں کے برابر جو تمہاری پیروی کرتے ہیں مہربان اور متواضع رہو۔ اسی لئے آپ کسی بہی محفل اور مجلس میں اپنے لئے امتیازی مقام کو پسند نہیں کرتے تھے مجلس میں جہاں جگہ ملتی تہی وہیں تشریف رکھتے تھے آپ کا لباس ہی دوسروں سے فرق نہیں رکھتا تھا غلاموں اور فقیرں کے ساتھ بیٹھتے تھے اور ساتھ کھانا کھاتے تہے اپنے کپڑوں پر خود پیوند لگاتے تہے سلام کرنے میں دوسرں پر سبقت لیتے تہے کبھی بہی فخر فروشی نہیں کرتے تھے۔

۱۳۔ اپنے موقف پر استقامت :

آپ اپنے اصول و مکتب پر تاکید کرتے تھے اور کبھی بھی مشرکوں کی دھمکی، لالچ اور طاقت کے مقابلے میں تسلیم نہیں ہوئے۔ اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا تہا کہ جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کریں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ ساز باز کریں تاکہ وہ لوگ بہی آپ کے ساتھ ساز باز کریں۔

فلا تطع المکذبین ودّوا لوتدهن فیدهنون؛ ۔ [۲]

مفسرون نے کہاہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رؤسای مکہ نے آپ کو دعوت دی کہ آپ ان کے آئین شرک اور بت پرستی کو قبول کریں تاکہ اس کے مقابلے میں وہ لوگ آپ کا

۱۔ شعر ۲۱۵

۲۔ ملذہ، قلم ۹۸

لایا ہوا دین کو قبول کریں گے اما خدا نے آپ کو ان کی اطاعت بے منع کیا۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ولید بن مغیرہ مشرکوں کا رئیس تھا اس نے کہا تھا میں تمہیں اتنا مال دوں گا اور قسم کھاتا ہوں اگر آپ اپنے آئین سے روگردانی کریں جو کچھ چاہے ہو دینے کے لئے تیار ہوں وہ در اصل اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ آئے ساتھ سازش کرنا چاہتا تھا اس لئے آپ کو بہت ساری چیزوں کی پیش کش کی لیکن قرآن نے حکم دیا کہ آپ ان کی انحرافی پیش کش کے مقابلے میں کوئی نرمی نہ دکھائیں اور انعطاف پذیری کا مظاہرہ نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا:

و ان احکم بما أنزل الله و لا تتبع أهواءهم واحذرهم أن يفتنوك عن بعض ما أنزل الله اليك؛ ۔ [1]

ترجمہ: ان کے درمیان اس چیز کے مطابق حکم کریں جو خدا نے نازل کیا ہے اور ہوا و ہوس کی پیروی نہ کریں، خبر دار! یہ لوگ تجھے ان تعلیمات سے منحرف نہ کریں جو خدا نے تجھ پر نازل کیا ہے۔

۱۴۔ رفتار کے ذریعے فضائل کی ترویج:

پیغمبر تمام فضائل و کمالات کا نمونہ تھے آپ فقط گفتار کے ذریعے لوگوں کو تزکیہ نفس، خود سازی، احکام خدا کی پابندی اور اخلاق حسنہ کی طرف دعوت نہیں دیتے تھے بلکہ رفتار کے ذریعے ہی فضائل انسانی کی ترویج کرتے تھے یہاں تک کہ خداوند عالم نے آپ کے اخلاق کو عظیم شمار کیا ہے اور فرمایا: انك لعلى خلق عظيم اے رسول تم اخلاق کے بلند ترین درجے پر ہو۔ [2]

۱۔ مائدہ ۴۹

۲۔ قلم ۴

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیؐ کی زندگی کے ۱۱۴ اہم ترین راہنما اصول قرآن کریم کی نظر میں

ڈاکٹر محمد یعقوب بشوی

ذات گرامی پیغمبر اکرم، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، جو اخلاق کا مجسمہ، خلق عظیم کا مالک اور انسانیت کا معلم اول ہیں. آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شخصیت، ذات، نظریات اور اوصاف کو سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ معتبر منبع، خود قرآن کریم ہے معاشرے میں تبدیلی لانا ہر ایک شخص کی تمنا ہے لہٰذا یہ خیال رہے کہ ہر تبدیلی اچھی نہیں ہوتی بلکہ وہی تبدیلی اچھی ہے جو مثبت ہو اور معاشرے کی فکری، علمی، اجتماعی، شعوری ارتقاء اور تکامل اور ترقی کا ضامن بنے. یقیناً ایسی تبدیلی کے لئے کچھ اصول وضوابط ہونی چاہیے. قرآن مجید ایسی تبدیلی کا منبع و مرکز ہے اور قرآن اترنے کا اصلی سبب ہی معاشرتی اور ثقافتی انقلاب و تبدیلی ہے: « الر كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ» (ابراہیم، ۱).

قرآن کا نزول معاشرتی تبدیلی ہے یہی سبب تھا کہ ۲۳ سال کے مختصر مدت میں جو تبدیلی آئی اور اس کی ابتداء مکہ سے ہوئی اور پھر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لی، اس تبدیلی کا اصل ہدف

لوگوں کو طاغوتی اور غیر الٰہی نظاموں اور حاکموں سے نجات دلانا اور ایک الٰہی نظام اور حاکم کا تعارف تھا تاکہ معاشرہ الٰہی بن جائے اور اس کا ارتقائی عمل بدستور جاری رہے. رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے توسط سے جس تبدیلی کا آغاز مکہ سے شروع ہوئی اس نے جہانی شکل اختیار کی اور اس تبدیلی کے نتیجے میں ایک جاویدانہ اور مضبوط نظام ،«اسلام » کی شکل میں اب موجود ہے اور اب دیکھنا یہ ہے کہ کیوں اور کیسے ۱۴سو سال سے یہ نظام قائم ہے؟اس کی اصلی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ یہاں اسی راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے.

قرآن مجید میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بہت ساری خصوصیات کا بیان اور تذکرہ ہے. لیکن اس مختصر تحریر میں بعض ایسی خصوصیات اور اوصاف کو بیان کرنا مقصود ہے جنہیں تمام انسانوں میں موجود ہونا ضروری ہے. خاص کر وہ حضرات جو معاشرے میں رہبریت اور قیادت کا ادعا کرتے ہیں ان اوصاف کا انہیں حامل ہونا لازمی امر ہوگا کیونکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کی زندگی بہترین نمونہ عمل اور طرز زندگی ہے:

« لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» (سورہ احزاب، آیت ۲۱)؛

یقینا تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں بہترین اسوہ ہے. زندگی کے جس پہلو میں آپ چاہے اس پہلو میں سیرت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ملے گی.

پیغمبر اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعض اجتماعی اور اخلاقی خصوصیات اور معاشرتی اہم اصول، سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹ میں یوں بیان ہو رہا ہے:

«فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ»

بس اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لئے نرم ہو گیا، اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے، پس انہیں معاف کردے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام

میں ان سے مشورہ لیا کر، پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر، بے شک اللہ توکل کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

مبلغان دین کو چاہئے کہ وہ اس آیت کو سرلوحہ زندگی قرار دیں اور جو اصول و اجتماعی ضوابط اس آیت میں بیان ہوئے ہیں ان پر عمل پیرا ہو جائیں.

اس آیت میں اللہ تعالی اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب کرتے ہوئے ان کی بعض اہم خصوصیات اور معاشرے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کامیابی کے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے اور بعض معاشرتی راہنما اصولوں کی طرف اشارہ کیا ہے من جملہ:

پہلا اصول۔ مہربان ہونا:

مہربانی ایک انتہائی اہم صفت ہے جو حیوان تک کو انسان کا دوست بناتی ہے اور انسان کی مقبولیت اور محبوبیت میں اضافہ کردے گی. رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا ایک اہم ترین راز، آپ کا مہربان اور شفیق ہونا ہے۔ آیت کے اس حصے «فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ» سے یہ سمجھ آتا ہے کہ آپ کا پورا وجود سرچشمہ رحمت ہیں پس جو شخص مسلمانیت کا دعوی کرتا ہے اسے اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے، جیساکہ سورہ مبارکہ فتح کی آیت نمبر۲۹« وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَماءُ بَيْنَهُمْ»، بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں. رحمت یہ غضب کی ضد ہے جہاں رحمت ہوگی وہاں غضب نہیں ہوگا اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پورا وجود ہی رحمت ہے«وَما أَرْسَلْناكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعالَمِينَ» (انبیاء/۱۰۷)۔ اور (اے رسول) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر صرف عالمین کے لئے رحمت بنا کر۔ لہٰذا معاشرے میں ہمیں رحمت کا مصداق بننا ضروری ہے۔ خاص کر

جو لوگ معاشرے میں دوسروں کی قیادت کا دعوی کرتے ہیں ان کے لئے دوسروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ اس اہم صفت سے متصف ہو.

اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر، حاکم اور سیاسی شخصیتوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ مہربانی اور نرمی سے پیش آئیں۔ رہبروں اور لیڈروں کے لئے تندمزاجی اور خشونت سے برتاؤ مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مہربانی وعطوفت کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا.

قرآن کریم کا جیسا ارشاد ہے: « لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ » (توبہ، ۱۲۸)

بیشک تمہاری جانب، تم ہی میں سے ایک رسول آیا کہ جس پر تمہاری تکلیفیں سخت ہیں اور وہ تمہاری ہدایت کے لئے مصروف ہے اور مؤمنین کے ساتھ بہت رؤف ومہربان ہے۔

اس آیت میں «منکم» کی جگہ پر «من انفسکم» آیا ہے کہ جو اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ پیار اور محبت سے پیش آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سب لوگوں کی تمام تکالیف سے واقف اور ان کی مشکلات سے باخبر رہتے اور اس کے رنج وغم میں شریک رہتے تھے۔

ایک اور آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اور شفقت کی تصویر کشی کی گئی ہے: «و اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ» (شعراء، ۲۱۵-۲۱۶)

جو مؤمنین آپ کی پیروی کرتے ہیں ان کے لئے رحمت ورافت کے بال وپر بچھاؤ اور اگر آپ کی مخالفت کریں تو ان سے کہدو کہ میں تمہارے اعمال و کردار سے بیزار ہوں۔ جس طرح پرندے اپنے بچوں کے ساتھ جب محبت کا اظہار کرتے ہیں تو ان کے لئے اپنے پر وبال کھول کر ان کو بال وپر کے اندر کر لیتے ہیں تاکہ وہ ہر طرح کے حوادث سے محفوظ رہیں اور بکھرنے وبچھڑنے

سے بچے رہیں، دشمن کی شر سے محفوظ رہیں، اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اس آیت کے پیش نظر مامور تھے کہ مؤمنین کے لئے اپنی رحمت اور شفقت کے بال وپر بچھائے اور ان کو تفرقہ میں پڑنے اور انتشار سے محفوظ رکھیں۔

دوسرا اصول: نرم مزاج ہونا؛

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا دوسرا اہم راز، آپ کا نرم مزاج ہونا ہے۔ آیت کے اس حصے «فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ» سے یہ سمجھ آتا ہے کہ نرم مزاجی کا تعلق، اللہ کی رحمت سے براہ راست ہے، آپ لوگوں کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور یہ اللہ کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔ اس آیت میں خطاب مستقیم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے کہ آپ اے پیغمبر! نرم مزاج ہیں اور یہی آپ کی کامیابی کا سبب ہے۔ نرم مزاج انسان لوگوں کے دلوں میں بستہ ہے. لہٰذا اسلامی معاشرہ نرم مزاجی کا عکاس ہونا چاہیے.

تیسرا اصول: تند مزاج نہ ہونا؛

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا تیسرا اہم راز، آپ کا تند مزاج نہ ہونا ہے۔ اس آیت « وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ » سے یہ سمجھ آتا ہے کہ تند مزاجی ایک انتہائی بری صفت ہے جو رہبر کو لوگوں سے دور کر دیتی ہے۔ اگر لوگ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمان پر جان قربان کرتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ ہی نبی کا تند مزاج نہ ہونا اور قوت برداشت ہے۔

چوتھا اصول: قسی القلب نہ ہونا؛

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا چوتھا اہم راز، آپ کا قسی القلب نہ ہونا ہے۔ آیت کے اس حصے « وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ» سے یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ صفت بھی رہبری میں نہیں ہونی چاہیے۔ قسی القلب انسان سے کچھ بھی ہوسکتا ہے ہر قسم کا ظلم اس سے صادر ہوسکتا ہے۔ سخت مزاج انسان نہ فقط معاشرہ میں لوگوں کی قیادت نہیں کرسکتا بلکہ دین گریزی کا بھی ایک اہم سبب بن جاتا ہے. لوگ اسے دیکھ کر دین سے ہی بھاگ جاتے ہیں۔.

پانچواں اصول: معاف کرنا؛

روایتوں میں در گزر کی بہت فضیلت آئی ہے کہ جو اپنے مخالف سے انتقام لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود اسے معاف کردیں. امام علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں: « العَفوُ مَعَ القُدرَةِ جُنَّةٌ مِن عَذابِ اللّهِ سُبحانَهُ» (غرر الحکم: ۷۷۳)؛انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کرنا عذاب خدا سبحان سے بچنے کے لئے ایک سپر اور ڈھال ہے.

جس شخص میں یہ صفت موجود ہو اس کا چاہنے والوں کی بھی کثرت ہوگی اور وہ معاشرہ میں محبوب ہوگا. قرآن ایسے شخص کو محسن کہہ کر پکارتا ہے:

«الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ» (آل عمران/۱۳۴)

.جب یہ صفت ایک عام انسان کے لئے زیبندہ ہے تو ایک رہبر اور رہنما کے لئے زیبندہ تر ہوگا. شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا پانچواں اہم راز، یہی صفت یعنی آپ کا مخالفین کو معاف کرنا ہے۔ آیت کے اس حصے « فَاعْفُ عَنْهُمْ » سے یہ سمجھ آتا ہے کہ دشمنوں اور مخالفوں سے انتقام

لینے کے بجائے ان کو معاف کرنا ہی اصل بہادری ہے۔آج ہمارا معاشرہ عدم برداشت اور انتقام کا معاشرہ ہے حتی کچھ لوگ تو اس حد تک افراط اور ہر حد کراس کرجاتے ہیں کہ جرم کوئی اور کرتا ہے سزا کسی اور کو دیتے ہیں۔کتنے لوگ تنہا مجرم سے یا جس شخص کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے رشتہ داری کی وجہ سے انتقام کا شکار ہوتے ہیں۔حالنکہ قرآن کریم اس بارے میں واضح ارشاد فرماتا ہے: «لا تَزِرُ وازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرى »(انعام/۱۶۵)۔کسی کے گناہ کا بوجھ کسی اور کے اوپر نہیں ہے۔ہر انسان اپنے کردار کا ذمہ دار ہے۔اسلامی قیادت کا دعوی کرنے والوں کے پاس وسعت قلبی اور ظرفیت موجود ہونی چاہئے جس کے نتیجہ میں وہ دوسروں کو بخش دیتے ہیں اور دوسروں کی غلطی کو معاف کردیتے ہیں۔

چھٹا اصول: طلب بخشش واستغفار؛

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا چھٹا اہم راز،آپ کا مخالفین اور خطاء کاروں کے بارے میں خدا سے استغفار کرنا ہے۔آیت کے اس حصے «وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ» سے یہ سمجھ آتا ہے کہ رہبر الہی خطاء کاروں کو نہ فقط معاف کرتا ہے بلکہ ان کے گناہوں کی مغفرت اور بخشش کی دعا بھی کرتے ہیں۔اور یہ انسان کی نہایت اعلی ظرفی کی علامت ہے۔

ساتواں اصول: مشورہ اور عقل جمعی سے استفادہ؛

مشورہ ایک بہترین مددگار اور ناصر ہے.اسلام مشورہ پر کافی زور دیتا ہے.مشورہ در اصل دوسروں کی عقل اور تجربہ میں شامل ہونا ہے،حضرت علی (علیہ السلام) کا فرمان ہے:

«مَن شاوَرَ ذَوِی العُقولِ استَضاءَ بِأنوارِ العُقولِ» (غرر الحکم، ص ۴۴۲)

جو بھی صاحبان عقول سے مشورہ کرے گا تو عقول کے نور سے روشنی لے گا.اسی طرح نہج البلاغہ کلمات قصار میں آپ فرماتے ہیں:

«مَنِ اسْتَبَدَّ بِرَأْيِهِ هَلَكَ وَمَنْ شَاوَرَ الرِّجَالَ شَارَكَهَا فِي عُقُولِهَا»؛

جو اپنی رای میں مستقل ہوا،ہلاک ہوا اور جو دوسرے صاحب نظر افراد سے مشورے کرے گا تو وہ ان کے عقلوں میں شریک ہو جائے گا.

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتی خصوصیت اور معاشرے میں ان کی کامیابی کا ساتواں اہم راز، عقل جمعی سے استفادہ کرنا اور دوسروں کو اہمیت دینا اور مختلف امور میں اصحاب سے مشورہ لینا بھی شامل ہے۔ آپ کا مخالفین اور خطاء کاروں کے بارے میں تین بڑے فیصلے تھے۔ پہلے مرحلے پر آپ خطاکاروں اور دشمنوں کو معاف فرماتے، دوسرے مرحلے میں،ان کی مغفرت کے لئے خدا سے استغفار کرتے اور تیسرے مرحلے پر اہم اجتماعی، معاشرتی اور انتظامی امور میں ان سے مشورہ لیتے۔آیت کے اس حصے « وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ» سے یہ سمجھ آتا ہے کہ رہبر الہی کو اہم معاملات میں دوسروں سے مشورہ لیناچاہیے اور عقل جمعی سے فائدہ اٹھاناچاہیے۔البتہ خیانت کار اور دشمن کے ایجنٹ قسم کے لوگ اس سے جدا ہیں۔ تجربہ کار، مخلص، دیانتدار اور دیندار لوگوں سے استفادہ ضروری ہے اسے ایک تو باہمی اعتماد بڑے گا دوسرا جو بھی فیصلہ ہو،وہ فرد واحد کا فیصلہ نہیں کہلائے گا۔

آٹھواں اصول: فیصلہ قیادت کا؛

معاشرے میں کسی رہبر کی کامیابی کا آٹھواں اہم راز، عقل جمعی سے استفادہ کرنے کے بعد، آخری فیصلہ خود ہی کرنا ہوتا ہے۔اسی لئے قرآن ارشاد فرمارا ہے: « فَإِذا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ» یعنی جب کسی کام کا فیصلہ کرنا ہو،وہ فیصلہ خود رہبر کریں گے۔ہمارے معاشرے میں اکثر فیصلے حاکم کے بجائے مخفی ہاتھ کرتے ہیں اس لئے ان کا نتیجہ بھی صحیح نہیں نکلتا۔

نواں اصول: اللہ پر بھروسہ؛

معاشرے میں کسی الٰہی رہبر کی کامیابی کا نواں اہم راز، مذکورہ بالا تمام امور کو انجام دینے کے بعد، اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن ارشاد فرمارہا ہے: «فَإِذا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ» یعنی جب کسی کام کا ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرنا ہی کامیابی کا راز ہے۔ ہمارے معاشرے میں توکل کا عام طور پر غلط مفہوم لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے کبھی نا قابل جبران نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح اسلامی طریقے سے معاشرے کی تربیت کریں۔

دسواں اصول: معاشرے کی تربیت حب الٰہی سے؛

اگر انسان کی زندگی میں توکل آجائے اس کا نتیجہ محبت الٰہی کا حصول ہے: «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِين»۔ خود اللہ، بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن کی زندگی میں تین بندگی کے مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ توکل ہے جو عام انبیاء کی زندگی میں اور سچے مومنین کی زندگی میں ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ بندگی کا دوسرا مرحلہ تسلیم ہے۔ جس پر ابراہیم جیسے نبی نظر آتے ہیں:

«إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ» (بقرہ، آیت ۱۳۱)۔

آگ کے شعلون کے درمیان جبرائیل مدد کی پیشکش کرتا ہے جواب دیتا ہے: « فتَلقّاهُ جَبرئيلُ في الهَواءِ فقالَ: هَل لَكَ مِن حاجَةٍ فقالَ: أمّا إلَيكَ فَلا! حَسبِيَ اللّهُ و نِعمَ الوَكيلُ فقالَ جَبرئيلُ: فاسألِ اللّهَ، فقالَ: حَسبي مِن سُؤالي عِلمُهُ بِحالِي» (بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۱۵۵)

بندگی کا تیسرا مرحلہ تفویض ہے:

«وَ أُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللهِ إِنَّ اللهَ بَصِيرٌ بِالْعِبادِ» (سورہ غافر/ ۴۴)

اس مرحلہ پر انسان اپنے سارے کام اللہ کے سپرد کرتا ہے، جیسا کہ امام حسین (علیہ السلام) نے میدان کربلا میں یہی کیا اور بارگاہ الٰہی میں اپنی قربانی پیش کرکرتے ہوئے فرمایا

«ترکت الخلق طرا فی هواك و أیتمت العیال لکی أراك فلو قطّعتنی بالحبّ إربا لما مال الفؤاد إلی سواك»؛

اے اللہ میں (حسین ابن علی) نے ساری دنیا کو تیری وجہ سے اور تیری چاہت میں چھوڑ دی ہے، میں اپنے سارے اہل وعیال کو تیری خاطر یتیم کر چکا ہوں، اگر تیری محبت میں یہ لوگ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، تب بھی میرا دل تیرے سوا کسی اور کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ لہذا معاشرے کو توکل اور حب الٰہی سے آشنا کرنا ضروری ہے تاکہ معاشرتی تکامل اور ارتقاء کا سفر جاری و ساری رہے.

گیارواں اصول: عدم خیانت؛

عدم خیانت اور امانت داری، اجتماعی شخصیتوں کی ضروری خصوصیات میں سے ہے۔ جناب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ صرف اپنی رسالت کے دوران بلکہ آپ مبعوث ہونے سے پہلے ہی سے امین اور صادق کے نام سے مشہور تھے یہاں تک کہ آپ کو لوگ «محمد امین» کے نام سے جانتے تھے۔

قرآن کریم نے انبیاء الٰہی (علیہم السلام) کے صفات بیان کرتے ہوئے آپ کو ہر دھوکے اور چالبازی سے دور بتایا ہے، لہذا ارشاد ہوتا ہے:

«وماکانَ لِنَبِی أَنْ یغُلَّ و مَنْ یغْلُلْ یأْتِ بِما غَلَّ یوْمَ الْقِیامَةِ» (آل عمران، ۱۶۱)؛

ہرگز کوئی بھی نبی خیانت کار نہیں ہو سکتا اور جو بھی خیانت کرے گا قیامت کے دن، اس کو جو بھی خیانت کی ہے اس کی سزا پائے گا۔ معاشرہ خیانت کرنے والوں سے ایک نہ ایک دن ضرور انتقام لیتا ہے. اللہ کا انتقام تو ہے ہی اپنی جگہ. لہذا خیانت علمی، مالی، سیاسی، اجتماعی غرضیکہ ہر نوع خیانت سے انسان کو بچنا ضروری ہے اور یہ ایک اسلامی دستور ہے.

بارواں اصول: صبر؛

معاشرے میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور ہزار قسم کی باتیں ہوتی ہیں اور اجتماعی امور میں اور بھی زیادہ مشکلات ہیں اس لئے ایک رہبر کو صبر کا دامن تھامے رہنا ضروری ہے. اللہ تعالی پیغمبر رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں:

«فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ» (قلم، ۴۸)؛

پس اپنے پرودگار کے حکم کے سامنے صابر رہو اور مچھلی والے (حضرت یونس) کی طرح نہ رہو۔اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ربی ہے: « فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ» (احقاف، ۳۵) پس صبر کرو جیسے کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے.

تیرواں اصول: عدالت؛

عدالت کی اہمیت اسلام میں اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف اپنے اندرونی معاملات میں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی اللہ تعالی ہمیں عدل کا حکم دیتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

«وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى» (مائدہ، ۸)

کسی قوم سے دشمنی تم کو بے عدالتی و ناانصافی پر آمادہ نہ کرے، عدل وانصاف سے کام لو کہ یہ تقوی سے بہت زیادہ قریب ہے۔

تمام رہبران الہی کی بعثت کا مقصد اور ہدف اجتماعی عدالت کا قیام تھا اسی لئے قرآن میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: «لَقَد أَرسَلنا رُسُلَنا بِالبَيِّناتِ وَأَنزَلنا مَعَهُمُ الكِتابَ وَالميزانَ لِيَقومَ النّاسُ بِالقِسطِ» (حدید، ۲۵).

نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خصوصیات میں ایک اہم خصوصیت، اقامہ عدل ہے: «وأُمِرتُ لِأَعْدِلَ بَينكُم» (شوری، ۱۵)

اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف سے کام لوں۔

چودھواں اصول: اخلاص عمل؛

معاشرے میں لوگ، اپنے رہبر کی زندگی اور اس کے کردار کو ہی اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہیں: «قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيايَ وَ مَماتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعالَمِينَ لا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ» (انعام ۱۶۳-۱۶۲)؛ کہہ دیجیے: میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب یقینا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی زندگی میں کوئی چیز ان کی اپنی نہیں تھی وہ جو کچھ کرتے وہ اللہ کیلئے کرتے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ، ہر سانس اللہ کے لئے تھی۔ بندگی ہو یا امور دنیوی، سب زندگی کی حرکت و سکون اللہ کے نام وقف ہوتا۔ آپ کی زندگی پر صرف ایک ہی رنگ تھا اور وہ تھا خدائی رنگ: «صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً» (بقرہ، ۱۳۸).

یہاں سے یہ اصول ملتا ہے کہ اپ کی کامیابی کا اصل راز ہی آپ کا اخلاص عمل اور اخلاص نیت تھی یہ اصل آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے کہ نیت اور عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنا ہوگا اگر ایسا ہوا تو ہمیں بھی بقاء ہی بقاء مل جائے گی اور اسی طرح ہمارا ہر کام کو بھی بقاء ملے گی.

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ہمیں اپنے پیارے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت نصیب فرما. (آمین یارب العالمین).

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور اس کے فوائد کا تحقیقی جائزہ

سید حامد علی شاہ موسوی

مقدمہ:

ہر عاقل انسان کسی کام کو انجام دیتا ہے یا کسی کام کے انجام پانے کو دیکھتا ہے تو سب سے پہلے اس کے ذہن میں چند سوالات پیش آتے ہیں انہی سوالات میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ اس کام کی ضرورت کیا ہے ؟اور دوسرا سوال اس کام کے کیا فوائد ہیں ؟کائنات میں کچھ ایسے امور اور حادثات پیش آئے ہیں جو اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھنے کیساتھ پوری بشریت کے لئے چیلنج بھی ہے انہیں امور میں سے ایک انبیاء کا رسالت پر مبعوث ہونا ہے اور یہ بنی نوع انسانیت کی زندگی کے مادی اور معنوی امور پر تاثیر کرتا ہے اس لئے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے یہاں یہ دو سوالات بڑی شدت سے ذہن کو جواب کی جستجو کی طرف مجبور کرتے ہیں کہ انبیاء کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟اور اس کا بنی عوع انسان کے لئے کیا فائدہ ہے؟ ہم یہاں ان سوالوں کے جوابات کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح کریں گے اور یہ بات قابل غور ہے کہ ہم ضرورت بعثت کو قرآن اور حدیث کی توسط ثابت نہیں کر سکتے چونکہ اس سے دور لازم آتا ہے وہ اس طرح کہ نبوت کے اثبات کی دلیل قرآن اور روایات ہو اور قرآن ک اور رواےات کے اثبات کی دلیل نبوت ہو تو یہ توقف الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے اور اسی کو دور کہا جاتا ہے جو عقل کے نزدیک محال ہے لہٰذا اگر ہم ضرورت بعثت انبیاء کو قرآن اور احادیث سے بیان کرتے ہیں تو

ہمارا مقصود قرآنی وہ آیات ہیں جس کے ضمن میں حکم عقل ہو در حقیقت عقل سے ستدلال کررہے ہوتے ہیں۔اس طرح اس تحقیق میں ارسال رسل کی ضرورت اور اس کے فوائد کو قرآن اور عقل کی روشنی میں وضاحت کریں گے تاکہ لوگ بعثت کو فقط ایک اعتقادی مسألہ نہ سمجھیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی ضرورت کا احساس کریں اور اس نظام نبوت کو نظام الہیٰ سمجھ کر اتباع کریں تاکہ انسانی معاشرے ہر لحاظ سے بہتری کی طرف گامزن رہے۔

قرآن کی نگاہ میں بعثت کی ضرورت :

اگرچہ انبیاء کے بعثت کی ضرورت کو قرآن سے ثابت کررہے ہیں تو یہ ظاہرا دلیل شرعی ہے لیکن حقیقت میں ان دلائل شرعی کے ضمن میں دلیل عقلی موجود ہے جس کی توسط سے ہم ضرورت بعثت کو قرآن کے وہ آیات سے ثابت کریں گے جس کے ضمن میں حکم عقل ہو اور قرآن مختلف جہات کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں بشریت ، بعثت انبیاء کی طرف محتاج ہیں اور ان میں بشریت کی کامیابی اور فلاح صرف اور صرف ارسال رسل پر موقوف ہے وہ مختلف پہلو جن میں بشر، انبیاء کی طرف محتاج ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) لوگوں کو ظلمت سے نور میں لانا:

الرکِتَابٌ أَنزَلْنَهُإِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِإِلَىالنُّورِبِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىصِرَاطِ الْعَزِيزِالْحَمِيدِ(۱) الف لام را، یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کوان کےرب کےاذن سےاندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، غالب آنے والے قابل ستائش اللہ کے راستے کی طرف۔

۲) خدا کی عبادت اور طاغوت کی سرکشی

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (۲)

اور بتحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض کے ساتھ ضلالت پیوست ہو گئی لہٰذا تم لوگ زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا تھا۔

۳) لوگوں کے اختلافات کو ختم کرنا:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ۔ (۳)

اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی، جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے یوم حساب فراموش کرنے پر یقینا سخت عذاب ہوگا۔

۴) قیام عدالت و انصاف:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ (۴)

بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں شدید طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون بن دیکھے خدا اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، اللہ یقینا بڑی طاقت والا، غالب آنے والا ہے۔

۵) اتمام حجت:

رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا. (۵)

(یہ سب) بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کسی حجت کی گنجائش نہ رہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

۶) خدا کے دستور اور حکمتوں کو بیان کرنا:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (۶)

جیسے ہم نے تمہارے درمیان خود تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاکیزہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

۷) مردہ ضمیروں کو زندہ کرنا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ. (۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ بھی کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

۸) قیام امر بالمعروف اور خواہشات نفسانی سے نجات دلانا:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. . (۸)

(یہ رحمت ان مومنین کے شامل حال ہوگی) جولوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی کہلاتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں انکے لیے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اوران پر لدے ہوئے بوجھ اور (گلے کے) طوق اتارتے ہیں، پس جو ان پر ایمان لاتے ہیں ان کی حمایت اوران کی مدد اوراس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

۹) نزاع اور جھگڑوں کو ختم کرنا:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (۹)

لوگ ایک ہی دین (فطرت) پر تھے، (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور تنبیہ کرنے والے انبیاء بھیجے اور انکے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور کا فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اوران میں اختلاف بھی ان لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ انکے پاس صریح نشانیاں آچکی تھیں، یہ صرف اس لئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے، پس اللہ نے اپنے اذن سے ایمان

لانے والوں کو اس امر حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

احادیث کی روشنی میں بعثت کی ضرورت :

مرحوم کلینیؒ نے اصول کافی کے باب ضرورت بعثت انبیاء میں پانچ روایتوں کو بیان کیا ہے اس میں سے ایک روایت یہ ہے کہ کسی زندیق نے امام جعفر الصادق سے پوچھا کہ پیغمبروں اور رسولوں کی بعثت کو کیسے ثابت کرتے ہیں ؟ تو جواب میں فرمایا: یہ بات ثابت کیا کہ ہمارے کوئی خالق اور بنانے والا ہے جو ہم اور دیگر تمام مخلوقات سے برتر، حکمت اور رفعت میں بلند تر ہیں اس لئے سزاوار نہیں کہ ہم اس کو دیکھیں اور لمس کریں اور بے واسطہ ایک دوسرے سے محبت اور گفتگو کریں لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہمارے درمیاں کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو اس کا سفیر ہیں جو خدا کی چاہت کو لوگوں کے لئے بتاتے اور مصالح اور مفاسد کو مخلوقات کے لئے بتاتے اور جب مخلوقات کے درمیان سے خدا کی طرف دعوت دینے والا جب ثابت ہو گیا اور کچھ لوگ خدا کے امر و نہی کو پہنچارہیں ہیں تو یہی لوگ ہیں پیامبر خدا جن کو خدا نے انتخاب کیا ہے۔(۱۰)

اس حدیث مبارک سے یہ معلوم ہوتا ہے انبیاء معاشرے کی بہبودی اور ترقی کی قیام کے لئے نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں اور معاشرہ جب ترقی کرتا ہے کہ اس میں کوئی نبی ہو جو لوگوں کو مادی بالخصوص معنوی رشد و ترقی کی رہنمائی کریں۔

فوائد بعثت :

انبیاء الٰہی کے انسانی حقیقی تکامل کے صحیح راستہ کی رہنمائی اور وحی کی دریافت اور اس کو لوگوں تک پونچانے کے فوائد کے علاوہ دوسری بڑی ثمرات اور اثرات بھی ہیں جن کو ہم فوائد بعثت انبیاء سے تعبیر کرتے ہیں اور ان فوائد میں سے کچھ کو یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱) بعثت ایک تذکر اور یاد آوری:

بہت سارے مطالب ایسے ہیں جن کو عقل درک تو کرتی ہے لیکن اس کے درک ہونے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے یا اس کی دریافت کے لئے کافی تجربہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یا انسان پر مادی اثرات پڑنے یا جذبہ حیوانی کے غلبہ کی وجہ سے وہ ان امور سے غفلت کا شکار ہوتا ہے یا غلط تبلیغ کے اثرات پڑنے سے لوگ یا صحیح نہ سیکھنے یا غلط تبلیغ کے اثرات سے لوگوں پر ایسے مطالب مخفی رہتے ہیں تو ایسے مطالب انبیاء الٰہی کے توسط سے بیان ہوتے ہیں اور بار بار تذکر اور مسلسل یادآوری کی وجہ سے بطور کلی بھول جانے سے بچ جاتے ہیں یا انبیاء کے صحیح اور منطقی تعلیمات، مغالطات اور برے تفکر کو روک لیتے ہیں یہاں سے یہ بات کہ قرآن انبیاء کو نذیز اور مذکّر کہنا یا قرآن کو ذکر اور تذکرہ نام دینا واضح ہو جاتی ہے۔

امیر المؤمنین بعثت انبیاء کی حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”خدائے متعال نے مسلسل اپنے انبیاء کو بھیجا تاکہ لوگوں سے پیمان فطرت کی وفاداری کا تقضا کرے تبلیغ اور حقائق کو بیان کرتے لوگوں پر حجت تمام کرے“۔

۲) نمونہ عمل:

ماڈل اور نمونہ کا وجود انسان کی تربیت، رشد اور تکامل کے نہایت اہم تریں عوامل میں سے ایک اہم عامل ہے اور یہ بات نفسیات میں مسلم الثبوت بھی ہوچکی ہے۔ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے فقط اچھے نظریات اور بہتریں تعلیمات کا ہونا کافی نہیں بلکہ اسی تعلیمات کا ایک مجسم کا سامبہ ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ اس تعلیمات کی زندہ مثال دیکھ اور لمس کرسکے اور انبیاء الٰہی کا وجود مبارک بنی نوع انسانوں کے لئے ماڈل اور نمونہ عمل کے لئے بہتریں نمونہ ہے کہ جس کی تاثیر پاکیزہ تعلیمات کے اثرات سے الگ ہوتا ہے اسی لئے قرآن میں خدا اپنے آخری بنی کو بطور نمونہ اور ماڈل قرار دے رہے ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً. (۱۱)
بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو

۳) سیاسی، معاشرتی رہنما:

ہر دور میں لیڈر کی نہایت ضرورت پڑتی ہے انسانی معاشرے کے اجتماعی، سیاسی، اور سماجی خدمات کے لئے اچھے لیڈر اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے انبیاء کے وجود انسان کی انفرادی اور اجتماعی تکامل کے لئے بہت مفید ہے چونکہ وہ معصوم اور نیک انسان ہوتے ہیں معاشرے کی ترقی اور بہبودی کے لئے ایسے مدبر اور مخلص انسانوں کی شدت سے ضرورت ہے خدا انبیاء کو مبعوث کرکے بشریت کے اس ضرورت کو پورا کیا۔ اس طرح انبیاء کا وجود معاشرے کے لئے بہت مفید ثابت ہے۔

نتیجہ:

قرآن کریم کی نگاہ میں انبیا کی بعثت کا ہدف الوگوں کو ظلمت سے نور میں لانا، خدا کی عبادت اور طاغوت کی سرکشی، لوگوں کے اختلافات کو ختم کرنا، قیام عدالت وانصاف، اتمام حجت، خدا کے دستور اور حکمتوں کو بیان کرنا، مردہ ضمیروں کو زندہ کرنا، قیام امر بالمعروف اور خواہشات نفسانی سے نجات دلانا اور نزاع اور جھگڑوں کو ختم کرنا ہے۔ جبکہ اس کے فوائد میں تذکر و یادآوری، نمونہ عمل اور سیاسی و معاشرتی راہنما بننا شامل ہے۔

حوالہ جات:

(۱۔) سورہ ابراہیم۔ ۱۔
(۲)۔ سورہ النحل۔ ۳٦۔
(۳) سورہ ص۔ ۲٦
(۴) سورہ الحدید۔ ۲۵۔
(۵) سورہ النساء۔ ۱٦۵
(٦)۔ سورہ البقرہ۔ ۱۵۱
(۷) سورہ الانفال۔ ۲۴۔
(۸) سورہ الاعراف۔ ۱۵۷۔
(۹) سورہ البقرہ۔ ۲۱۳۔
(۱۰) کلینی، ج ۱، ص، کتاب الحجہ، باب الاضرار
(۱۱)۔ سورہ الاحزاب۔ ۲۱

پیغمبر اکرمؐ کی تبلیغی روش اور طریقہ

غلام محمد محمدی

مقدمہ:

ارشاد خداوندی ہو رہا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا (۱)

ترجمہ: بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو بن نوع بشر کے لئے نمونۂ عمل ہیں، اور آپ کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل نہ ہو۔

خداوند متعال نے بنی نوع بشر کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا مبعوث فرما اور ان سب کا ایک ہی ہدف تھا وہ ہے دین مبین اسلام کی صحیح معنوں میں تبلیغ و نشر واشاعت اور اسی دین کو لوگوں تک پہنچانے میں بہت سی مشکلات اور مصائب سے گزرنا پڑھا۔

پیغمبر گرامی اسلام نے دین مبین اسلام کی تبلیغ کے لئے بہت ساری زحمتیں اٹھائیں اور کماحقہ اس دین کو ہم تک پہنچانے کیلئے اس وقت کے حالات و شرائط کو مد نظر رکھ کر مختلف طریقے استعمال کیئے تین سال تک، آپ نے خفیہ طور پر تبلیغ کی ہے، اور اس وقت کے حالات اور شرایط،

دیگر حالات میں داخل ہونے کے بعد، خدا کے حکم سے علی الاعلان رشتہ داروں کی دعوت سے امر مہم کا آغاز فرمایا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام شعبوں میں مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہیں اور تبلیغ کے طریقے میں وہ مبلغین کے لئے ایک مکمل آیڈیل ہیں تاکہ وہ آپ ص کے طریقوں سے استفادہ کرسکے۔

ذیل میں نمونہ کے طور پر آپ کے چند تبلیغی روش اور طریقہ کار کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی طریقے۔

ا: زمان اور مکان کا خیال رکھنا:

بعثت کے تین سال بعد تک، دعوت عام نہیں کی ہے، کیونکہ کوئی زمینہ اور حالات مناسب نہیں تھے، لیکن جب حالات وشرایط فراہم ہوے تو خدا کے حکم سے عمومی طور پر تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جب کافروں نے رسول خداؐ کی تبلیغ کو روکا تو آپ نے حرام مہینوں کو استعمال کرتے ہوئے بازاروں میں جا کر عکاظ، مجنہ و ذی المجاز میں حاضر ہوئے اور ایک بلندی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی۔ (۲) ایسے موارد میں جگہ اور وقت کے عنصر نے پیغمبر کے تبلیغ پر اثر ڈالا ہے۔

۲: خرافات کے خلاف تبلیغ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چار سال تھی، آپ اس وقت حلیمہ سعدیہ کے ساتھ رہتے تھے۔
ایک دن آپ ص نے حلیمہ کو اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ صحرا جانے کی پیشکش کی،
حلیمہ بیان کرتی ہیں: اگلے دن، میں نے محمد کو دھویا اور اس کے بالوں کو چکنا کیا، اس کی آنکھوں میں کوہل لگایا، اور اس کی گردن پر یمنی مھرہ لٹکا دیا تاکہ صحرا کے شیطان اسے نقصان نہ

پہنچائیں ،آپ ص نے اس کو گردن سے اتار کر مجھ سے کہا: " پیاری امی ! پریشان مت ہونا! میرا خدا، جو ہمیشہ میرے ساتھ ہے، میرا محافظ ہے۔ (۳)

یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہؐ کی خرافات کے خلاف جدوجہد، جیسا کہ بعثت کے بعد کرتے تھے، بعثت سے پہلے بھی تھی۔

۳۔ شرک اور بت پرستی سے نفرت کا اظہار:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کے تھے جب وہ اپنے بڑے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کی طرف گئے یہاں تک کہ وہ بصری نامی بستی میں پہنچے اور وہاں اترے۔ جب "بجیرا" نامی ایک عیسائی راہب نے نبی ص کو دیکھا تو وہ آپ ص کے چہرے پر کچھ نشانات دیکھ کر وہ پیغمبرؐ کی طرف مائل (فریفتہ) ہوا۔ اس نے ابو طالب سے کہا: اس بچے کا شاندار مستقبل ہے، اور وہ ایک عیسائی راہب تھا، اس نے سوچا کہ یہ بت پرست ہیں، اس لئے رسول اللہؐ کو مخاطب کیا اور کہا: اے بیٹے، میں لات اور عزی کی قسم کھاتا ہوں کہ جو میں تم سے پوچھتا ہوں، اس کا جواب دو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لات اور عزی کا واسطہ مت دو، میرے خیال میں ان دونوں سے زیادہ قابل مذمت کوئی چیز نہیں ہے۔ بجیرا نے کہا: تو میں خدا کی قسم کھاتا ہوں، میرے سوالوں کا جواب دو۔ حضور ص نے کہا: جو چاہو پوچھو.... (۴)

جب پیغمبرؐ نے خدیجہ (س) کی تجارتی جائیداد فروخت کے لئے لی تو خدیجہ میسرہ» نامی ایک قابل اعتماد غلام کو رسول اللہؐ کے ساتھ بھیجا تاکہ دور سے حالات کا خیال رکھے۔ اور اس کے لئے تفصیلی رپورٹ پیش کریں.

جب پیغمبرؐ مکہ واپس آئے، تو میسرہ؛ نے پیغمبر اکرمؐ کے سفر اور سرگرمیوں کو خدیجہ (س) کے حوالے کرتے ہوئے کہا: محمد امین کا ایک تاجر سے ایک مسئلہ پر جھگڑا ہوا، تاجر نے امین سے کہا کہ لات اور عزی کی قسم کھاؤ کہ میں تمہاری بات قبول کروں۔

اس کے جواب میں امین نے کہا: میرے سامنے سب سے کم اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ مخلوق وہ ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۵)

ان دو باتوں سے، یہ مطلب استفادہ ہوتا ہے کہ نبی ص اپنی جوانی اور نوجوانی کے دوران توحید پرست تھے اور بتوں کے انکار کی سمت میں بات کرتے تھے اور ان کی تبلیغی جدوجہد عمومی تھی۔

۴۔ جنگ کے قوانین کی پاسداری:

آپ ص کم عمری یا جوانی میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجار کی جنگ میں اپنے چچوں کے ساتھ اس شرط پر شرکت کی کہ: وہ ظلم، زیادتی، اسقاط حمل اور بہتان سے باز رہیں تاکہ ان کے شانہ بشانہ رہیں۔ وہ قبول کرتے ہیں اور یہ کہ پیغمبر شرکت کرتے ہیں۔ (۶)

۵۔ عملی تبیغ کا طریقہ کار:

انَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (۷)

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجا لائے ہیں ان کے لئے رحمٰن عنقریب دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔

خدا کے رسول نے ہمیشہ اچھے کام کیے اور اچھے کاموں سے آراستہ تھے۔ اس کے اچھے اعمال اور طرز عمل کی وجہ سے لوگوں نے اس پر اعتماد کیا اور وہ "محمد امین" کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت خدیجہ (س) نے پیغمبر اکرمؐ سے کاروبار میں تعاون چاہا اور کچھ عرصہ بعد ان کی شادی کے لئے زمینہ فراہم ہوگیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے خدیجہ نے کہا: جس چیز نے مجھے آپ کی طرف متوجہ کیا وہ آپ کی دیانت، امانت داری اور اچھے اخلاق ہیں۔ (۸)

اس بارے میں امام صادق ع کا فرمان کا ذکر بھی مناسب ہے جس میں امام ع فرماتے ہیں لوگوں کو دعوت دو بغیر زبان کے۔

۶۔ لوگوں کا اعتماد حاصل کرنا:

جب لوگ کسی شخص کے قول و فعل میں تضاد دیکھیں گے تو وہ کبھی بھی اس کی باتوں پر اعتماد نہیں کریں گے۔

"اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۴۴ بقرہ)۔

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب (اللہ) کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ؟ (۹)

اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو؟

ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ پیغمبرؐ کی خدمت آیا۔ اس نے بتایا کہ میرا بیٹا کھجور بہت کھاتا ہے۔ اس نے حبیب خدا سے کہا کہ میرے بیٹے کو کہیں کہ وہ کھجوریں زیادہ نہ کھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بیٹے کو کل لے آؤ۔ وہ شخص اور اس کا بیٹا دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور خدا کے رسول نے لڑکے کو مشورہ دیا کہ وہ زیادہ کھجوریں نہ کھائے۔ اس شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے کل یہ مشورہ کیوں نہیں دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میں نے خود کھجور کھائی تھی۔

تبلیغ کرنے والے جس کی وہ تبلیغ کر رہا ہے اس پر وہ خود عمل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے تبلیغ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام بچپن سے لے کر اپنے چالیسویں سال اور ان کی بیداری اور وحی کے وقت تک ایک کامیاب مبلغ تھے اور ہر ایک کو ان کے طرز عمل ، تقریر اور موقف پر اچھا بھروسہ تھا اور انہیں امین کہہ کر پکارتے تھے۔

۷۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خفیہ تبلیغ :

پیغمبر کی خفیہ طور پر دعوت آپ ص کی بعثت سے شروع ہوا اور تین سال تک جاری رہا۔ کچھ مورخین نے چار یا پانچ سال تک بھی کہا ہے۔ (۱۰) واضح رہے کہ خفیہ دعوت دو مراحل میں دی گئی تھی۔

۸۔ خاندان کے افراد کو مدعو کرنا :

یہ پیر کا دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث بہ رسالت کیا گیا تھا۔ کوہ حرا سے گھر واپس آنے کے بعد حضرت خدیجہ (س) نے رسول خدا کی دعوت پر مثبت جواب دیا اور خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کے رسالت کی گواہی دی۔ اور علی ابن ابی طالب (ع) بھی ایمان لے آئے۔

نبی کے خاندان کا تیسرا فرد زید بن حارث تھا، جو مسلمان ہوا اور نبی کا گود لیا ہوا بیٹا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ علی ابن ابی طالب (ع) اور زید بن حارثہ کے بعد ابوذر نے اسلام قبول کیا۔ (۱۱)

۹۔ خفیہ دعوت میں قابل اعتماد عناصر سے استفادہ :

زمان ومکان کے حالات نبی کی دعوت کو خفیہ طور پر انجام دینے کا سبب تھا۔ جن لوگوں کے پاس اسلام قبول کرنے کا امکان تھا ان کی شناخت کی گئی اور پھر ان کو اپنے مسلم دوستوں کے ذریعے مدعو کیا گیا اور پیغمبر اسلامؐ کے پاس لایا گیا تاکہ وہ اسلام قبول کریں اور ان میں شامل ہو جائیں۔

مومنین کو تربیت یافتہ کیڈر کے طور پر تبلیغ کی تربیت دی گئی، اور مستقبل میں بھاری اور سنجیدہ ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھانے اور مسائل سے نمٹنے کے قابل بنائے۔

خفیہ دعوت کے دوران اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی، ان میں سے بیشتر معاشرے کے نچلے اور متوسط طبقے سے تھے، جنہیں قریش مشرکین کی طرف سے مسلسل اذیت دی جاتی تھی۔ [پژوہشی در سیرہ نبوی، ص ۱۴] کچھ لوگوں کا اندازہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ (۱۲)

مشرکین نے مسلمانوں کی تمام حرکات کو کنٹرول کیے ہوئے تھے اور مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ اور ان کے ساتھی نماز اور عبادت کے وقت لوگوں سے چھپکر خدا کی عبادت کی پہاڑوں کے درمیان میں اور دور دراز جگہوں پر عبادت کرتے تھے،اسی طرح آہستہ آہستہ اسلام مکہ میں پھیل گیا۔ (۱۳)

۱۰۔ آشکار اور عمومی تبلیغ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سال کے خفیہ تبلیغ کے بعد، آیہ « انذار :اَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (۱۴)

اور اپنے قریب ترین رشتے داروں کو تنبیہ کیجیے۔ نازل ہوئی، اس کے بعد آیت فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُوَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (۱۵) آپ کو جس چیز کا حکم ملا ہے اس کا واشگاف الفاظ میں اعلان کریں اور مشرکین کی اعتنانہ کریں وضاحت کریں کہ آپ کا مشن کیا ہے! اور مشرکوں سے منہ موڑ لو۔

اس سے یہ انکشاف ہوا کہ عمومی دعوت عام کی جائے۔

جب آیت فَاصۡدَعۡ۔۔۔ ہوئی تو خدا کے رسولؐ حجر اسماعیل کے کنارے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش والو اور اے عرب لوگو، میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں خدا ایک ہے اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ بتوں

کو پھینک دو اور میری اطاعت کرو، تاکہ تم عربوں پر حکومت کرسکے اور غیر عرب لوگ تمہاری اطاعت کریں، اور تم جنت میں بھی حکمران ہو. (١٦) پیغمبر اکرمؐ نے تقریر کرکے اور لوگوں کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ اپنا تبلیغ کیا۔

۱۱۔ مساجد و تبلیغی مراکز کی تعمیر:

تبلیغ کے لئے مناسب جگہ کی کی ضرورت تھی۔ نبی ص نے مسجد بنانے کی بڑی کوشش کی، جس کی اہمیت مسجد قبااور مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رویے سے سمجھی جاسکتی ہے۔ سات ماہ میں مسجد نبوی کی تعمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کی وجہ سے ہوئی۔

مدینہ میں موجود مسجدوں میں سے یہ معروف تھیں: ۱۔ مسجد النبی ۲۔ مسجد بنی ساعدہ از خزرج ۳۔ مسجد بنی رائج ۴۔ مسجد بنی زریق ۵۔ مسجد بنی اسلم ۶۔ مسجد بنی جہینہ ۷۔ مسجد بنی عمرو بن مبذول ۔ان مساجد میں، روزانہ کی نمازیں پڑھی جاتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود نماز جمعہ ادا کرتے اور اپنے خطبات میں، آپ نے جو ضروری بات تھیان کرتے تھے، ان مساجد میں محاذوں پر دفاع اور جہاد کے لئے لڑنے والی قوت کو متحرک کیا۔، اور مسجد میں تنازعات کا فیصلہ اور حل کیا کرتے تھے۔ وہ وفد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مذاکرات یا اسلام قبول کرنے کے لئے آتی تھی ان کے ساتھ نشست وغیرہ مسجد میں منعقد ہوتے تھے۔

۱۲۔ گروہی تبلیغ:

آپ کی تبلیغی روش میں سے ایک گروھی تبلیغ ہے، اس کی مثال؛ قبائل عضل اور قارہ، کے نمائندوں کی درخواست پر، پیغمبرؐ نے مرثد کی کمان میں ایک گروہ کو قبائل کے نمائندوں کے ساتھ بھیجا۔ وہ رجیع نامی ایک جگہ پہنچے جسے قبائلی نمائندوں نے محاصرے میں لے لیا تھا اور

سارے شہید ہوگئے تھے۔ ایک کو راستے میں شہید کیا گیا اور دو دیگر کو مکہ میں قریش کے رہنماؤں نے پھانسی دے دی۔ (۱۷)

اسی طرح اور بھی مبلغین کو مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیجتے تھے اور ان میں سے کچھ شہید ہوتے اور کچھ تبلیغ کا کام سرانجام دیتے تھے۔ انہی میں سے ایک اور مبلغ معاذ بن جبل ہے۔

معاذ بن جبل کو یمن بھیجنا:

معاذ کو بھیجتے وقت، پیغمبرؐ نے ان نکات پر توجہ دیا جو قابل ذکر ہیں اور پیغمبر کے تبلیغ کے طریقے کو واضح طور پر ظاہر کرتے ہیں۔

الف: لوگوں کے ساتھ آسانی سے کام لیں اور ان کو مشکل نہ ڈالیں،

ب: لوگوں کو خوشخبری دیں اور روشن مستقبل کا وعدہ کریں اور ان کے لئے اسلام سے نفرت پیدا نہ کریں۔

قدرتی طور پر، پیغمبرؐ کا مشورہ خدا کے کلام سے لیا گیا ہے، جس نے کہا:

یا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا (۱۸) اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور وہ یہ بھی کہتا ہے: "یُرِیْدُ اللہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (۱۹) اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا.

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے کہا: "اور اب جب کہ میں نے اہل کتاب سے اپنی قوم پر سبقت لے لی ہے، وہ آپ سے جنت کی چابی مانگیں گے۔ کیا آپ نے خود سے پوچھا کہ چابی کیا ہے؟ جنت میں؟ ان سے کہو: خدا کی وحدانیت اور انفرادیت کا اقرار۔

حضرت امام علیؑ کو یمن بھیجنا:

پیغمبرؐ نے علیؑ کو ہجرت کے دسویں سال یمن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ علی (ع) نے پوری عاجزی کے ساتھ پیغمبرؐ کی موجودگی میں کہا: میں ایک نوجوان ہوں جس نے اپنی زندگی میں فیصلہ نہیں کیا ،اور میں کسی فیصلے کی نشست پر نہیں بیٹھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کے بارے میں دعا کی اور کہا: اے خدا! علی کے دل کی رہنمائی کریں اور اس کی زبان کو پھسلنے سے بچائیں۔ پھر فرمایا: علی! کسی کے ساتھ جنگ میں نہ پڑیں، اور منطق اور اچھے برتاؤ کی طاقت کی روشنی میں لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کریں.

پیغمبر اکرمؐ نے توحید کی دعوت پر مشتمل خط علی کو دیا۔ کہ یمن کے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں ،۔ جب علی (ع) یمن کی سرحد پر پہنچے اور پیغمبرؐ کا خط پڑھا تو قبیلہ ہمدان سب نے اسلام قبول کرلیا۔(۲۰)

ہمدان قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہوگیا۔ علی (ع) نے یہ معاملہ تحریری طور پر حضورؐ کو بتایا۔ خط پڑھنے کے بعد پیغمبرؐ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

۱۳۔ بادشاہوں اور قبائلی رہنماؤں کو خط بھیجنا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ کا ایک اور طریقہ یہ تھا کہ خطوط بھیجتے تھے اور بادشاہوں اور قبائلی رہنماؤں کو اسلام کی دعوت دیتے۔آپ نے یہ کام اس وقت کیا جب آپ ص کو یقین تھا کہ دعوت جزیرہ عرب میں پھیل جائے گی، پھر آپ ص نے اپنے مبلغین کو ہرقل، امپراطور روم ، خسرو پادشاہ ایران، مقوقس مصر میں، نجاشی حبشہ و کار گزار کسری سرزمین یمن ہیں بھیجا۔ نبی ص نے ایک مہر لگادی جس پر محمد، خدا کے رسول نقش تھے۔

حوالہ جات:

۱۔(احزاب/آیہ۲۱)

(۲) [قرآن و تبلیغ، ص۴۱.]

(۳) [الگوی برتر محمد رضا تویسرکانی،، ص]

(۴) [الگوی برتر]

(۵) [فروغ ابدیت، ج۱، ص ۱۹۲]

(۶) [الگوی برتر، ص ۱۳۳]

(۷) مریم، (۹۶)

(۸) [فروغ ابدیت،، جلد۱، ص ۱۹۰]

(۹) (صف۲۰)

(۱۰) [پژوہشی در سیرہ نبوی چاپ اول، زمستان ۱۳۸۲، ص ۱۴]

(۱۱) [تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۳۷۹،]

(۱۲) [لگوی برتر، ص ۱۴۲]

(۱۳) [تحلیلی از تاریخ اسلام، ج۱، ص۳۹]

(۱۴) (شعرا، آیہ ۲۱۴)

(۱۵) (۹۴)

(۱۶) . [فروغ ابدیت، ج۱، ص۱۴۵]

(۱۷) [فروغ ابدیت، ج۱، ص۴-۸۳]

(۱۸) (احزاب ۴۵)

(۱۹) (بقرہ۱۸۵)

(۲۰) [فروغ ابدیت، ج۲، ص ۴۵۳-۵،]

حصہ ہفتم

انگریزی

Hazrat Muhammad(PBUH) is the best Role Model for all mankinds

Saleem meraj

All human beings need a Role Model or an Ideal person in their lives to spend their lives in better way because it is human nature that all human beings are fond of betterment .It is human psyche to know something more and to improve their life styles so that they can be successful in this life and hereafter as well

But all human beings are imperfect and they need a person whose Moral ,behavior,character, courtesy , justice and dealings are perfect model to follow .

So if the people of the world research unbiasedly then they could come to know that the only person of the world whose life is perfect role model for all mankinds is the Holy Prophet Hazrat Muhammad (PBUH).

There is no doubt that no one can't deny that Hazrat Muhammad was the greatest personality of the world .

Not only Muslims are impressed by his moral,character,justice tolerance ,behavior and his mercy but also the none Muslims are also impressed by his moral,character,behavior, justice and patience.

So if anyone wants to become successful person in this life and hereafter then obviously he/she has to follow the teachings of Hazrat Muhammad (PBUH).

There is no doubt that his teachings and preaching will cause the Najaat of people.

Because he is an embodiment of everything .

He has proved everything practically and not orally that's why he was famous even before his Nobuwat .

Before his Nobuwat he was known as Sadiq and Amin due to his fair and honest dealing with people either in business dealings or in social interaction .

Due to his trustworthy and honesty the richest woman of that time Hazrat Khadija entrusted all her money and wealth to Hazrat Muhammad and later on she decided to get marry with him .

This is only due to his moral,character,justice ,mercy ,affection and Courtesy that most of the people of that time accepted Islam .

Even None Muslims used to bring their suits or cases to him and he used to decide their cases in accordance to their own law .this shows that how he was well known amongst the None Muslims and how the none Muslims believed on Hazrat Muhammad's decisions . Therefore we have the golden opportunity of having such a greatest personality to become a successful person in this life and hereafter as well by following his precious and golden teachings and principles .

But I am sorry to say that we are just a so called Muslims that's why we kept alive only the customary things of Islam and we have forgotten all the Principles and teachings of Hazrat Muhammad (PBUH).That's why all Muslims are being treated badly throughout the world nowadays.This is only due to being ignorance from his teachings.

Actually being a Muslims and being a true lover of Hazrat Muhammad we should had to keep alive the teachings and instructions which have set by Hazrat Muhammad (PBUH) by doing ,saying and keeping silence by seeing anything which has been done in front of him .

Now people have become so materialistic that's why everyone is running after wealth, money and material things .therefore they are going towards wrong directions specially the youths.

Our young girls and boys are adopting the western customs and cultures in the name of modernism and liberalism but they don't know what they are doing is totally harmful for their lives in this world and hereafter.

In Pakistan the young generation is totally accustomed to western cultures that's why in Pakistan social crimes are increasing day by day .

What I think this is all due to the bad education system in Pakistan .

Our education system is promoting absurdity instead of nurturing and grooming the students by protecting them from bad things. Any society depends on its youths that's why youths are called the nation builder ,so if the nation builders of any nation are unaware of Hazrat Muhammad's teachings then how could we expect goodness from them .

To eradicate all social evils and bad things from our society we should have to adopt Islamic teachings and Hazrat Muhammad's teachings instead of following western cultures ,so that we could be able to overcome all these

social evils and bad things and we could be able to become a successful person in this world and hereafter. May God put us on the right paths.

فہرست مطالب

حرف آغاز: ۷

پیش لفظ: ۱۱

امام خمینی کی نظر میں بعثت رسولؐ کا فلسفہ ۱۴

تاریخ کا عظیم واقعہ: ۱۵

عالم بشریت کا وحی کے فواہد اور تعلیمات سے بہرہ مند ہونا: ۱۶

نور ہدایت کے حصول کے لئے نفوس کا تزکیہ: ۱۷

عظیم ترین علمی و عرفانی انقلاب: ۱۸

عظیم ترین علمی و عرفانی انقلاب: ۱۸

انسان کے ادراک سے بالا معجزہ: ۱۹

واقعہ بعثت کی عظمت پر پیغمبرؐ کے اُمی ہونے کی دلالت: ۲۰

شریعت اسلام کی جامعیت کا اسلام کے وحیانی ہونے پر دلالت کرنا: ۲۱

حوالہ جات ۲۱
رسول اکرمؐ مسلمانوں کے اتّحاد کا مرکز ۲۳
انبیاءؑ کے انقلاب کی خصوصیات ۲۸
ہادی اعظمؐ کی تبلیغی روش ۳۳
بشیر ونذیر: ۳۳
تنفیر: ۳۵
لطافتِ روح: ۳۶
شہید عارف حسین الحسینی کی نظر میں ہفتہ وحدت اور میلاد پیغمبر ۳۸
دوسرا حصہ: کالمز ۴۱
ولادت ختمی مرتبت ۴۳
سیرت نبویؐ میں وحدت۔ ۴۶
بعثت نبی مکرم ﷺ اسلام: ۴۷
بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے وحدت آفرین اقدامات: ۴۷
بعثت کے بعد وحدت کے لئے اقدامات: ۴۸
ہجرت کے بعد وحدت کے لئے کوششیں: ۴۸
فلسفہ بعثت انبیاء ۵۱
۱۔ عبادت الٰہی کی طرف دعوت اور طاغوت سے اجتناب: ۵۲
۲۔ تزکیہ نفس وقرآن کی تعلیم: ۵۳
۳۔ عدل وانصاف کا قیام: ۵۳

۴۔وحدت واتحاد کا قیام: ۵۳
سیرت رسول ﷺ اور اخوت وبرادری ۵۶
رسول اعظمؐ بہترین آئیڈیل ۵۸
پیغمبر اکرمؐ کی نظر میں عورت کا مقام ۶۳
بعثت رسول اکرم ﷺ اور موجودہ صورتحال ۶۶
پیغمبر رحمت عالمین ۶۸
سیرت پیغمبر اکرم ﷺ میں وحدت واتحاد ۷۱
حوالہ جات: ۷۴
رسول اکرمؐ کی امتیازی خصوصیات ۷۵
۱۔حضرت مسیحؑ کی بشارت: ۷۶
۲ ۔ خلق عظیم کا مالک ہونا: ۷۶
۳۔رسالت جہانی: ۷۷
۴ ۔ رووف ورحیم: ۷۷
۵ ۔ خاتمیت: ۷۸
منابع: ۷۸
استاد کا مقام پیغمبر اسلامؐ کی نگاہ میں ۷۹
حوالہ جات: ۸۱
پیغمبر اکرم ﷺ معلم اخلاق ۸۲
اخلاق پیغمبر ہمارے لئے عملی نمونہ ۸۵

منابع: ۸۸

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت پر معجزات ۸۹

منابع: ۹۲

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے چند پہلو ۹۳

۱. رسول اکرم کا اخلاق: ۹۳

۲. رسول کی نرمی اور سختی: ۹۳

۳۔ رسول اکرمؐ امانتداری: ۹۴

۴۔ رسول کی صبر و تحمل: ۹۴

۴. اچھے اخلاق کی دعوت: ۹۴

۵۔ پیغمبر کی عدل وانصاف اور پاکیزگی: ۹۵

۶. رسولؐ کی حسن سلوک: ۹۵

فلسفہ بعثت پیغمبر اور ہماری ذمہ داری ۹۷

متفرق مذاہب: ۹۸

اختلاف آرا وافکار: ۹۸

مختلف راستے: ۹۹

قرآن وسنت کی روشنی میں اتحاد ضرورت یا شرعی فریضہ؟ ۱۰۱

حضور اکرم ﷺ نور وروشن کتاب ۱۰۴

آغوش محمدؐ میں پلٹتی دنیا ۱۰۶

بچوں کے ساتھ حضور اکرمؐ کا حسن سلوک ۱۰۹

پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ اور امت مسلمہ کی حالت زار ۱۱۱

تیسرا حصہ ۱۱۳

مضامین ۱۱۳

سیرت پیغمبر ﷺ میں مذاق کا پہلو ۱۱۵

مجھے آٹھ اخروٹ کے بدلے بھیج دیا: ۱۱۶

ابوہریرہ کا، پیغمبر ﷺ کے ساتھ مذاق : ۱۱۷

جس نے بھی خرما کو گھو ٹھلی ساتھ کھائی ہو: ۱۱۷

جانتا ہوں شہد کو پسند کرتے ہیں: ۱۱۷

حوالہ جات: ۱۱۹

سیرت وفرامین رسول اکرم میں مسلمان ۱۲۰

مقدمہ: ۱۲۰

اسلام اور سلامتی: ۱۲۱

مسلمان اور مسلمان کشی: ۱۲۲

مسلمان اور ظلم وزیادتی: ۱۲۳

مسلمان یدِ واحد: ۱۲۴

مسلمان اور امورِ مسلمین : ۱۲۵

سوچنے کا مقام: ۱۲۶

حوالہ جات: ۱۲۶

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور وحدت ۱۲۸
اہل سنّت بھائیوں کے منابع سے پیغمبر اعظمؐ کی سیرت طیبہ اور وحدت: ۱۲۸
حوالہ جات: ۱۳۳
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسوہ بشریت ۱۳۴
مقدمہ: ۱۳۴
جاہلیت کا زمانہ: ۱۳۵
دور جاہلیت کی خصوصیت: ۱۳۵
جاہلیت کا مقصد: ۱۳۵
پیغمبر کی دعوت کا طریقہ: ۱۳۶
منابع: ۱۳۸
رسول خداؐ کی زندگی پر ایک نظر ۱۳۹
ولادت باسعادت رسول اللہؐ: ۱۳۹
اخلاق رسولؐ خدا: ۱۳۹
مقام علمیت رسولؐ خدا: ۱۴۱
رسول خدا کی عبادی زندگی: ۱۴۱
رسول خدا کی عملی زندگی: ۱۴۲
رسول خدا کی فکری زندگی: ۱۴۳
رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ۱۴۴

حوالہ جات: ۱۴۴

نبی اکرم ﷺ کا صبر ۱۴۵

صبر کے معانی: ۱۴۵

اصطلاح میں صبر: ۱۴۶

صبر کی اقسام: ۱۴۶

حضور ﷺ کا صبر: ۱۴۶

منابع: ۱۴۸

رسول اکرم کی سیرت میں عورت کا مقام... .... ۱۴۹

حوالہ جات: ۱۵۳

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق طیبہ ۱۵۴

پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت باسعادت: ۱۵۴

نام والقاب: ۱۵۵

سیرہ فردی یا انفرادی: ۱۵۶

اخلاق اجتماعی: ۱۵۶

حوالہ جات: ۱۵۷

اہداف بعثت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵۸

حوالہ جات: ۱۶۳

پیغمبر اکرمؐ کا اپنے اصحاب کے ساتھ برتاؤ ۱۶۴

(۱) عملی تربیت ۱۶۴

(۲) انداز گفتگو اور سادگی ۱۶۴

(۳) انکساری ۱۶۵

(۴) مہر و محبت اور آداب ۱۶۵

(۵) عفو در گزر ۱۶۵

(۶) آپؐ کا عدل و انصاف ۱۶۶

(۷) ثابت قدمی ۱۶۶

(۸) بیت المال کی تقسیم ۱۶۶

(۹) قناعت پسندی ۱۶۷

(۱۰) بھائی چارگی ۱۶۷

(۱۱) مسجد ضرار کا انہدام ۱۶۸

(۱۲) دشمن گروہوں کے ساتھ برتاؤ ۱۶۸

(۱۳) مکمل رہنمائی ۱۶۹

رسول خداؐ کا مقامِ شفاعت ۱۷۰

شفاعت کا مفہوم: ۱۷۰

شفاعت کی کچھ اقسام: ۱۷۱

قرآن میں شفاعت: ۱۷۲

شفاعت کے بارے میں آیات قرآنی: ۱۷۳

مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے شفاعت: ۱۷۴
شفاعت کرنے والوں کی شرائط: ۱۷۵
منابع و مآخذ: ۱۷۸
رسول کریمؐ وسلم کی روش تبلیغ ۱۷۹
۱. دعوت کا پہلا مرحلہ مخفی دعوت: ۱۸۰
۲. دعوت نبوی کا دوسرا مرحلہ "دعوت ذوالعشیرہ": ۱۸۱
۳. دعوت کا تیسرا مرحلہ "اعلانیہ دعوت": ۱۸۱
۴. دعوت کا چوتھا مرحلہ "بیرون مکہ دعوت": ۱۸۱
حوالہ جات: ۱۸۲
چوتھا حصہ: ترجمہ ۱۸۳
رسول اکرمؐ کی ولادت اور نور ہدایت ۱۸۵
پیغمبر اکرمؐ ہر زمان و نسل کے لئے نمونہ عمل ۱۸۸
پانچواں حصہ ۱۹۱
معرفی کتب: سیرت النبی ۱۹۱
مرحوم علامہ سید جعفر مرتضی عاملی کی کتاب "اَلصَّحیح مِنْ سیرَةِ النّبیِّ الْاَعْظَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "کا تعارف ۱۹۳
مرتضی عاملی کی علمی و اجتماعی فعالیتیں: ۱۹۳
''اَلصَّحیح مِنْ سیرَةِ النّبچخچچِ الْاَعْظَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''کی خصوصیات: ۱۹۴
''اَلصَّحیح مِنْ سیرَةِ النّبچخچچِ الْاَعْظَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''کی روش: ۱۹۵

ترجمہ اور تلخیص: ۱۹۶

منابع: ۱۹۶

سیرت نبی پر اردو میں دستیاب بعض اہم کتابیں: ۱۹۷

چھٹا حصہ: مقالات ۱۹۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت بذریعہ قرآن ۲۰۱

معرفت (True Justified belief): ۲۰۲

نمونہء عمل کی معرفت کی اہمیت: ۲۰۲

ولادت سے پہلے حضورؐ کی شخصیت: ۲۰۳

حضورؐ کی ولادت کو بشارت کہنے کی وجہ: ۲۰۳

حضورؐ کا اوّل المسلمین ہونا: ۲۰۴

حضورؐ بحیثیتِ نمونہ عمل: ۲۰۵

لغزشوں سے پاکیزہ نمونہ عمل: ۲۰۶

نمونہ عملؐ کے معصوم ہونے کی دلیل: ۲۰۶

اطاعتِ رسولؐ کی قرآنی اہمیت: ۲۰۷

قرآن مجید کا حضورؐ سے مودبانہ اندازِ گفتگو: ۲۰۹

حضورؐ اپنے رب کی بارگاہ میں: ۲۱۰

اُمّت پر حضورؐ کے ادب کا وجوب: ۲۱۰

حضورؐ پر صلوات بھیجنے کا قرآنی حکم: ۲۱۲

حضورؐ کا اُمّت کے درمیان خصوصی مرتبہ: ۲۱۳
حضورؐ کا لوگوں سے برتاو: ۲۱۴
خَاتَمُ النَّبِیّین کا مطلب: ۲۱۵
حضورؐ کی عالمی نبوّت: ۲۱۶
نتیجہ: ۲۱۷
فلسفہ بعثت رسول اکرم امام خمینی کی نظر میں ۲۱۹
مقدمہ: ۲۱۹
ضرورت واہمیت: ۲۲۱
توحید کا پرچار: ۲۲۱
اطاعت الٰہی: ۲۲۳
تعلیم وتربیت: ۲۲۴
تزکیہ نفس: ۲۲۶
طاغوت سے نجات: ۲۲۷
ظلم سے نجات: ۲۲۹
قیام عدل: ۲۳۰
کمال بشر: ۲۳۲
ظلمت سے رہائی: ۲۳۴
نتیجہ وجمع بندی: ۲۳۶

مصادر و منابع: ۲۳۶

پیغمبر اکرمؐ کی تبلیغی سیرت، قرآن کے آئینے میں ۲۳۷

مقدمہ: ۲۳۷

۱۔ ہدف پر ایمان: ۲۳۷

۲۔ اہداف کے بیان میں صراحت: ۲۳۸

۳۔ لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھنا: ۲۳۹

۴۔ منطقی مباحث کی رعایت: ۲۳۹

۵۔ بیان میں فصاحت: ۲۴۰

۶۔ نصرت خدا پر اعتماد اور توکل: ۲۴۰

۷۔ اجتماعی حالات کی رعایت: ۲۴۱

۸۔ حکمت کی بنیاد پر دعوت حق: ۲۴۱

۹۔ دلسوزی و خیر خواہی: ۲۴۲

۱۰۔ لوگوں کے فہم کے مطابق بات کرنا: ۲۴۲

۱۱۔ مخالفین کے مقابلے میں شجاعت کا مظاہرہ: ۲۴۳

۱۲۔ مومنوں کی نسبت متواضع: ۲۴۴

۱۳۔ اپنے موقف پر استقامت: ۲۴۴

۱۴۔ رفتار کے ذریعے فضائل کی ترویج: ۲۴۵

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی زندگی کے ۱۱۴ اہمترین راہنما اصول قرآن کریم کی نظر میں ۲۴۶

پہلا اصول۔ مہربان ہونا: ۲۴۸

دوسرا اصول: نرم مزاج ہونا؛ ۲۵۰

تیسرا اصول: تندمزاج نہ ہونا؛ ۲۵۰

چوتھا اصول: قسی القلب نہ ہونا؛ ۲۵۱

پانچواں اصول: معاف کرنا؛ ۲۵۱

چھٹا اصول: طلب بخشش واستغفار؛ ۲۵۲

ساتواں اصول: مشورہ اور عقل جمعی سے استفادہ؛ ۲۵۲

آٹھواں اصول: فیصلہ قیادت کا؛ ۲۵۳

دسواں اصول: معاشرے کی تربیت حب الہی سے؛ ۲۵۴

بندگی کا تیسرا مرحلہ تفویض ہے: ۲۵۴

گیارواں اصول: عدم خیانت؛ ۲۵۵

بارواں اصول: صبر؛ ۲۵۶

تیرواں اصول: عدالت؛ ۲۵۶

چودھواں اصول: اخلاص عمل؛ ۲۵۷

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور اس کے فوائد کا تحقیقی جائزہ ۲۵۸

مقدمہ: ۲۵۸

قرآن کی نگاہ میں بعثت کی ضرورت: ۲۵۹

۷) مردہ ضمیروں کو زندہ کرنا: ۲۶۱

احادیث کی روشنی میں بعثت کی ضرورت: ۲۶۳
فوائد بعثت: ۲۶۳
نتیجہ: ۲۶۵
حوالہ جات: ۲۶۶
پیغمبر اکرمؐ کی تبلیغی روش اور طریقہ ۲۶۷
مقدمہ: ۲۶۷
۱: زمان اور مکان کا خیال رکھنا: ۲۶۸
۲: خرافات کے خلاف تبلیغ ۲۶۸
۳۔ شرک اور بت پرستی سے نفرت کا اظہار: ۲۶۹
۴۔ جنگ کے قوانین کی پاسداری: ۲۷۰
۵۔ عملی تبلیغ کا طریقہ کار: ۲۷۰
۶۔ لوگوں کا اعتماد حاصل کرنا: ۲۷۱
۷۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خفیہ تبلیغ: ۲۷۲
۸۔ خاندان کے افراد کو مدعو کرنا: ۲۷۲
۹۔ خفیہ دعوت میں قابل اعتماد عناصر سے استفادہ: ۲۷۲
۱۰۔ آشکار اور عمومی تبلیغ: ۲۷۳
۱۱۔ مساجد و تبلیغی مراکز کی تعمیر: ۲۷۴
۱۲۔ گروہی تبلیغ: ۲۷۴

۱۳۔ بادشاہوں اور قبائلی رہنماؤں کو خط بھیجنا: ۲۷۶
حوالہ جات: ۲۷۷
حصہ ہفتم: انگریزی ۲۷۹
Hazrat Muhammad(PBUH) is the best Role Model for all mankinds ۲۸۱
فہرست مطالب ۲۸۷